رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جن طریقوں سے وحی آیا کرتی تھی، ان میں سے بعض یہ ہیں۔ اوّل رویاء صادقہ کی صورت میں وحی کا آنا، دوم صلصلۃ الجرس یعنی گھنٹی کی متواتر آواز یا گھنگھناہٹ کی صورت میں وحی کا آنا، سوم قلب پر وحی کا القاء ہونا، چہارم فرشتے کا پیکرِ انسانی میں آکر وحی پہنچانا، پنجم فرشتے کا اپنی اصلی صورت میں وحی لے کر آنا، ششم بہ حالتِ بیداری اللہ تعالیٰ کا ہم کلام ہونا جیسا کہ شبِ معراج میں ہوا۔ ہفتم بحالتِ خواب مکالمہ فرمانا۔

جمہور محدثین واصحابِ سیر کا خیال ہے کہ نزولِ وحی کا پہلا واقعہ غارِ حرا میں رونما ہوا اور وحی اوّل اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ...... الخ تھی۔ مگر مہینہ اور تاریخ میں اختلاف ہے۔ قرآنِ حکیم میں آیا ہے کہ ماہِ رمضان میں قرآن اُتارا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے کہ شبِ قدر میں قرآن اُتارا:

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ

علامہ ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری" شرح بخاری میں احمد اور بیہقی کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے:

اِنَّ النَّبِیَّ صلی اللّٰہ عَلَیْهِ وسلم قال: اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ لِسِتٍّ مُّضَیْنَ من رمضان والانجیل لثلاث عشرۃ خلت منہ والزبور لثمان عشرۃ خلت منہ والقرآن لاربع وعشرین خلت منہ۔

غرض قرآن وحدیث اس امر میں متفق ہیں کہ قرآنِ کریم کا نزول ماہِ رمضان میں ہوا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سال چوبیس[۲۴] کی رات کو شبِ قدر قرار پائی ہو۔ مگر دشواری یہ ہے کہ توریت، انجیل، زبور اور دیگر تمام انبیاء سابقین کے صحفِ سماویہ دفعۃً واحدۃً مکمل نازل ہو گئے تھے۔ اس کے برعکس کلام پاک بتدریج نازل ہوا ہے۔ اس لیے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ نزولِ وحی کی ابتدا بھی اور اس کی انتہا بھی یعنی قرآن پاک کی تکمیل رمضان ہی میں ہوئی۔

اُردو کے نوسو سالہ شعری ادب میں قرآن حکیم کے محامد ومحاسن کا بیان کہیں نظر نہیں آتا۔ حالانکہ اُردو اصنافِ سخن اور حمد اور نعت دونوں کا موضوع شرفِ قرآن بن سکتا تھا کہ قرآن وحی الٰہی ہے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے بنی نوع انسان کو پہنچی۔ اشارۃً وکنایۃً ذکر کی اور بات ہے[1]۔ خالد کی شاعرانہ یا نعت میں قرآنِ حکیم کی مدح کو خاص حیثیت حاصل ہے۔ خالد حمد باری تعالیٰ کے زمرے میں اوصاف

---

[1] مثلاً امیر مینائی ایک نعت میں فرماتے ہیں ؎

بنا آیاتِ قرآں کی ہے ان کی ذات سے محکم
قیام ان کے سبب کعبے کے ارکانِ مشدد کا

ڈاکٹر خان رشید کی ایک نعت میں آیا ہے ؎

چلتی پھرتی ہوئی قرآن کی تصویر ہو تم
یا کہ ہو عظمتِ خالق کی دلیلِ بیّن

[2] علامہ اقبال کے کلام میں شرفِ قرآن کا ضمنی ذکر، اس سلسلے میں مولانا ماہر القادری کی ایک نظم قرآنِ حکیم سے مسلمانوں کی عام بے توجہی پر بھی قابلِ توجہ ہے۔ لیکن ان میں سے کسی نے قرآنِ حکیم کے محامد کو بطور ایک موضوعِ خاص بیان نہیں کیا۔

کلام الٰہی کا بیان اسی جوش و ولولہ کے ساتھ کرتا ہے جو اس کے طویل قصائد، "فارقلیط" "منحمنّا" اور "رموزِ میرِ مغنّی" میں موجزن ہے۔ خدا، قرآن اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خدا اور پھر قرآن کے محامد و محاسن کا بیان علی الترتیب کرتا ہے۔ خالد کے فکر و نظر میں رسالت مآب کی ذاتِ اقدس اوّلیت کا درجہ یوں رکھتی ہے کہ وہی سرچشمۂ علم و یقین ہے جس نے ذات و صفاتِ باری تعالیٰ اور اس کی کتابِ ہدایت سے بندۂ خاکی نہاد کو آشنا کیا۔ بقول امیر مینائی ؎

خدا کا کیوں نہ عاشق ہو جو عاشق ہے محمد کا

"فارقلیط" اور "منحمنّا" کے بارے میں علوم و فنون کے ثریا کی قدیم اور ائمۂ نقد متفق ہیں کہ یہ دونوں خطابیہ (بے تشبیب) قصائد ہیں۔ مجھے یہ ماننے میں تأمل ہے۔ میری نظر میں یہ دونوں قصائد خطابیہ نہیں نعتیہ نہیں مصلحانہ ہیں۔ کیونکہ حدودِ نعت سے تجاوز کر گئے ہیں[1]۔ البتہ ان دونوں قصائد کی تشبیب نعتیہ ہے۔ اور اس سے بہتر تشبیب ہو بھی کیا سکتی ہے۔

ان قصائد سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خالد کی قوتِ متخیّلہ کو پرِ جبریل رسالت مآب کے تصوّر سے ملتا ہے، وہی خالد کے لیے وہ مرکزِ نور ہے جس سے خالد کو انشراح ہوتا ہے اور مدحِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں غزلخواں ہوتا ہے۔ نور و سرور کا دائرہ وسیع ہوتا ہے اور وہ مقامِ کبریا کی جانب پرواز کرتا ہے اور اس ذاتِ بے ہمتا کی ثنا خوانی کرتے ہوئے اس کی نعمتِ عظمیٰ قرآنِ پاک کا شرف بیان کرنے لگتا ہے کہ عالمِ انسانیت کے لیے اس کے سوا کوئی رقِّ منشور نہیں۔ یہ دائرہ اور وسیع ہوتا ہے اور وہ عالمِ انسانیت کا نظارہ کرنے لگتا ہے اور عالمِ اسلام کے ماضی، حال اور مستقبل اور عروج و زوال پر حکیمانہ نظر ڈالتا ہے۔

فارقلیط اور منحمنّا کی ابتدا مدحِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتی ہے۔ یہ مدح بطور تشبیب ہے اور پھر خالد کھوئے ہوؤں کی جستجو میں محو ہو جاتا ہے۔ ان قصائد کے علاوہ رباعیات، غزلیات، اُردو دوسری نعتیہ نظموں میں بھی خالد نے شرفِ قرآن کا نہایت ولولہ انگیز طور پر ذکر کیا ہے۔ وہ ایک نعت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہتا ہے ؎

عقبہ ابن ربیعہ ہو کیوں کر نہ میری طرح دم بخود
جو کتابِ مبیں تجھ پر اُتری نہیں مثل اُس کا کوئی[2]

"فارقلیط (تیسری کتاب) میں ایک پوری فصل قرآن پاک کی شان میں ہے اور اس میں وہی زور، حسنِ التزام اور دَرو بست نظر آتا ہے جو قصیدۂ بُردہ میں پایا جاتا ہے۔ ابتدا اس حقیقتِ صادقہ سے ہوتی ہے کہ قرآن کا نزول تدریجاً ہوا۔ خالد

---

[1] ڈاکٹر سید عبد اللہ فرماتے ہیں "خالد کی نعت پھیل کر تاریخ اسلام اور تذکرۂ مد و جزرِ قومی بن گئی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ نعت کا نیا تصوّر ہے" (مطبوعہ تحریریں (خالد نمبر) مارچ ۱۹۵۷ء)

[2] منحمنّا ص ۵

[3] دیکھئے الفصل السادس، فی ذکر شرف القرآن۔ یہاں یہ فرق ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیئے کہ علامہ بوصیری کی یہ فصل براہِ راست ذکرِ رسول سے منسلک کرتا ہے جب کہ خالد کی یہ فصل حمدِ باری تعالیٰ سے وابستہ ہے۔ علامہ بوصیری نے شرف القرآن میں سترہ (۱۷) اشعار کہے ہیں جب کہ خالد کی یہ فصل صرف سولہ (۱۶) اشعار پر مشتمل ہے۔

کہتا ہے ؎

اُترتے ہیں جس طرح بارش کے قطرے
اسی طرح قرآن نازل ہُوا ہے

تشبیہ میں بڑی تازگی، قوتِ نمو اور معنویت ہے۔ بارش کے قطرے جس طرح پیاسی زمین کو سیراب کرتے، روئیدگی پیدا کرتے اور عالمِ بہار لاتے ہیں اسی طرح نزولِ قرآن بھی ہدایت اور صراطِ مستقیم کی پیاسی انسانیت کے لیے مژدۂ جانفزا اور پیغامِ انشراح کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس ابتدا کی ایک بدیہی وجہ یہ بھی ہے کہ کفّار نے اعتراض کیا تھا کہ سارا قرآن ایک دفعہ کیوں نہیں نازل ہُوا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تدریجاً ازل کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ ہم وقتاً فوقتاً اس کے ذریعے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو تسکین دیتے ہیں اور کفّار کی طرف سے جو عجیب وغریب اعتراضات ہوتے ہیں، ان کے بھی قرار واقعی جوابات بتا دیتے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں آیا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ
وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ○ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ○[1]

اس فصل کا دوسرا شعر بھی آیت قرآنی سے استفادہ کا نتیجہ ہے کہ قصص و امثال مقصود بالذّات نہیں بلکہ حصولِ عبر کے لیے ہے ؎

حدیث و حِکم کا خزانہ ہے قرآں
درِ فضل واحساں شب وروزوا ہے

دوسری جگہ خالد کہتا ہے ؎

سعید لیتے ہیں اقوام ما سبق سے سبق
ہیں اک مرقعِ عبرت ثمود وعاد وارم[2]

ایک رباعی میں اس خیال کو یوں باندھا ہے ؎

پڑھ قصۂ قصصِ غزل اے صیدِ غزل
دیوانِ عبر ہے بہر اقوام و ملل!

---

[1] : اور ہم نے قرآن کو الگ الگ ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا (جسے خالد بارش کا قطرہ کہتا ہے) تاکہ تم ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کو سناتے رہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ) اسے بیک وقت نہیں اُتارا۔ بتدریج اُتارا۔ (بنی اسرائیل ۱۷ : ۱۰۶)

[2] : منحنا ص ۵۲، طبع دوم، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور مارچ ۱۹۷۵ء

[3] : لحنِ صریر، ص ۹۱، طبع دوم۔ آئینۂ ادب لاہور نومبر ۱۹۷۴ء

علامہ بُصیری نے ایک شاعرانہ بات کہی ہے کہ قرآنِ پاک زمانوں میں سے کسی ایک سے وابستہ نہیں۔ قرآنِ پاک کا یہ شرف ہے کہ عاد و ارم یعنی ماضی سے لے کر آخرت تک کی خبریں دیتا ہے۔

لَمْ تَقْتَرِنْ بِزَمَانٍ وَهِيَ تُخْبِرُنَا عَنِ الْمَعَادِ وَعَنْ عَادٍ وَعَنْ إِرَمِ

اس فصل کے تیسرے شعر میں صفنیاہ کے قول کی بہ فنِ بلاغت تردید کی ہے کہ قرآنِ حکیم محض کلام فصیح نہیں بلکہ حیات و کائنات وماورائے کائنات ہر اک شئے کے بیان پر مشتمل ہے۔ ایک جامع کتاب ہے۔ خدا خود فرماتا ہے: وَ كُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا (۱۷: ۱۲) ہم نے (قرآن میں) ہر چیز کا بیان کھول کھول کر، الگ الگ واضح کر دیا ہے ؎

بقولِ صَفَنیاہ سافا برورا[۱]

ہر اک شے کا اس میں بیاں آگیا ہے

ایک رباعی میں خالد اس کی مزید وضاحت کرتا ہے ؎

اس میں ہے بیاں و تذکرہ ہر شے کا
ہے یہ بنی آدم کے لیے نور و شفا
سرچشمۂ معرفت ہے قرآنِ حکیم
من یشرب منہ لم یظمأ ابدا

اس فصل کے چوتھے شعر میں وحی اوّلین کا مقام ظہور غارِ حرا بتایا ہے جو ایک تاریخی حقیقت ہے۔ نیز زبانِ قرآن کو "قریشی لحن" قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ائمۂ لسانیات بتاتے ہیں۔ نزولِ قرآن کے وقت زبانِ عربی کا مختلف لب و لہجہ تھا، بولیاں متفرق تھیں اور آج بھی ہیں۔ اس زمانے میں اہلِ قریش کی زبان سند کی حیثیت رکھتی تھی۔ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ قریش کے فرد تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے نزولِ اجلال "لحنِ قریشی" میں فرمایا۔ خالد کے اس موقف کی تائید ایک نعتیہ تضمین سے بھی ہوتی ہے۔

رقِ منشور بھی تو، تو ہی کتابِ سطور
تیری بعثت سے تھی تکمیلِ مکارم منظور
تو نے دنیا کو کیا ذکر و بیاں سے معمور
اور زندانِ ظلمت کو دیا تحفۂ نور

[۱] لحن صریر ص ۹۲، ۱۸۲

۵ : ماء المطر۔ کلام شفاف وفصیح

کی آرا هیوخ سافا برورا

جب کہ ہم نازل کریں گے تمام قوموں کے پاس کلامِ فصیح

"ذاتِ پاک تو چو در ملک عرب کرد ظہور
زاں سبب آمد قرآن بزبانِ عربی"

اس پس منظر میں اب شعر ملاحظہ فرمائیے ؎

نزول اس کا عرشِ بریں سے ہے لیکن
ظہور اس نے غارِ حرا سے کیا ہے

قرآن محفوظ و درروس ہے۔ دل اقرار کرتا ہے کہ یہ وحیِ خدا ہے۔ اس میں کسی قسم کی تحریف یا ردّو بدل نہیں ہوئی ہے ؎

ہے قرآن محفوظ و مدروس اب تک
دل اقرار کرتا ہے، وحیِ خدا ہے
نہ ہو ایک نقطہ بھی محو و محرّف
خدا نے حفاظت کا وعدہ کیا ہے

خداوند قدّوس نے خود اس کی حفاظت کی بشارت دی ہے۔ نزولِ وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے جلد یاد کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عجلت کی ضرورت نہیں۔ قرآن کو یاد کروا دینا اور اس کا پڑھوا دینا میرا کام ہے:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ[1]

دوسری جگہ نہایت واضح الفاظ میں اس کی دائمی حفاظت کے لیے اس طرح کا اعلان کیا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

اس آیتہ کریمہ میں اللہ جلّ شانہٗ نے جس بلند آہنگی اور قطعیت کے ساتھ قرآنِ حکیم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے وہ ویسے ہی شاندار طریقے پر پورا اتر رہا ہے۔ خالد کہتا ہے ؎

ہمیں نے اتارا ہے اس ذکر[2] کو
و تاحشر اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ![3]

ت: حمطایا، ص ۵۵

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کہ ہم نے اسے (یعنی قرآن کو) ایک عربی فرمان کی شکل میں اتارا (الرعد، آیت ۳۷) دوسری جگہ آیا ہے "اور ہم نے کوئی پیغمبر دنیا میں نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ اپنی قوم ہی کی زبان میں پیامِ حق پہنچانے والا تھا (ابراہیم آیت ۴)

[1] سورۂ قیامت رکوع ۱، جزو ۲۹

[2] قرآن کے صفاتی ناموں میں ایک "ذکر" بھی۔

[3] مرموز میر مغنیؔ ص ۱۰، بے شک اس کے ہمیں محافظ ہیں۔

خالد ایک رباعی میں مزید کہتا ہے ؎

تبدیل نہ ہوں کبھی خدا کے کلمات
ہے روحِ معانی، تصریف آیات
آہنگ جداگانہ ہے، مضمون واحد
سب پیغمبر ہیں اولادِ علّات

قرآنِ کریم کہانت یا شاعری یا جادو نہیں اور نہ کلامِ بشر ہے۔ مخالف بہتان باندھتے ہیں۔ اسی فصل میں خالد کہتا ہے:

کہانت ہے، یہ شاعری ہے نہ جادو
ازل کی تجلّی، ابد کی ضیا ہے
کلامِ بشر اس کو کہتے ہو کیسے؟
رگِ جاں کے تاروں کو یہ چھیڑتا ہے

خالد نے ایک رباعی میں کہا ہے ؎

اس میں نہیں سجع و زمزمہ کاہن کا
مزمورِ مغنّی ہے، نہ شاعر کی نوا
قرآن کا حرف حرف ہے، لا تبدیل
الفاظ میں بندوں سے مخاطب ہے خدا

خالد ایک اور مقام پر کفار کی اس خام خیالی کی تردید کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

عَلٰی کَثْرَۃِ الرَّدِّ لَا یُخْلَقُ ۱۰
نہ شعر و کہانت نہ سحر و فسوں!
نہ ہو وصف اس کا بیاں کُنْہَ عَظَمَتِہٖ وَلَا یَبْلُغُ الْوَاصِفُوْنَ ۱۱

---

۸ : دیکھئے سورۃ الفرقان آیات ۱ تا ۵ نیز ۲۱
۹ : لحن صریر ص ۹۴، ۱۸۵
۱۰ : لحن صریر ص ۹۶، ۱۹
۱۱ : پرانا نہ ہو ذکر و تکرار سے (خالد)

اسی فصل کے اگلے اشعار میں قرآن پاک کی حلاوت، فصاحت، بلاغت اور دوسری خوبیوں کی جانب اشارہ کیا ہے۔ بلاغتِ قرآن کے سامنے بدترین مخالفِ داعیِ اسلام بھی سرنگوں تھا۔ خالد کہتا ہے ؎

کہے شیرِ حاد اش، داؤد اس کو
نئی لے ہے اس کی نیا زمزمہ ہے
بیاں سے ہے باہر، حلاوت، طراوت
کسے تابِ تحدیثِ حُسن و بہا ہے؟
تنا اس کا سیراب، شاخوں پہ پھل ہیں
"کلامِ خدا ہوں" یہ خود بولتا ہے
رسولانِ پیشیں کے سارے صحیفے
کلامِ مبیں، مُسترد کر چکا ہے[۲]
مجلہ ہے لقمان کا خوب، لیکن
حکایاتِ کا واک میں کیا دھرا ہے؟
ہے تقویم پارینہ، اذکارِ رفتہ
ہر اک عہد کا عہد نامہ جُدا ہے
ہمیں ہفت گنجینہ ہیر ہفت ہیکل
یہ وہ شے ہے جس کو ہمیشہ بقا ہے

آخری شعر میں قرآنِ حکیم کو لافانی کہا گیا ہے۔ اس میں کسی مومن کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ جس طرح خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ وہ ذائقہ اجل سے ناآشنا ہے۔ اسی طرح کلامِ خدا بھی قدیم اور ناآشنائے فنا ہے۔ علامہ بصیری اس نازک مقام

---

[۲] علامہ بصیری قصیدہ بردہ میں اس نکتۂ بلیغ کو یوں باندھتے ہیں ؎

دَامَتْ لَدَیْنَا فَفَاقَتْ کُلَّ مُعْجِزَۃٍ
مِنَ النَّبِیِّیْنَ اِذْ جَاءَتْ وَلَمْ تَدُمِ

اور محسن کاکوروی کا حسنِ بیان ملاحظہ فرمایئے؛

مرجعِ روحِ امیں، زیبِ دہ عرشِ بریں!
حامیِ دینِ متیں، ناسخِ ادیان و ملل!

سے کیا سہل گزرے ہیں ؎

اٰيَاتُ حَقٍّ مِنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثَةٌ
قَدِيْمَةٌ صِفَةُ الْمَوْصُوْفِ بِالْقِدَمِ [1]

"فارقلیط" کی اس فصل کا تجزیاتی مطالعہ پیش ہوا جو شرفِ قرآن کے ذکر پر مشتمل ہے۔ خالد نے پھول سے نازک الفاظ میں کتنی خوبصورتی سے نازک و دقیق مہمات قرآنی کو پیش کیا ہے۔ اس کا لطف تو کچھ سخن فہم ہی لے سکیں گے۔ اس فصل میں اس کی حیرت انگیز قوتِ شعری، طرزِ ادا، اور سحرِ ابلاغ کارفرما نظر آتا ہے۔ مزمورِ میر مغنی میں انداز قدرے تیکھا ہے۔ وہ ایسے اصحاب قرآن کا تعجب سے ذکر کرتا ہے جو عقیدۃً نہیں تو عملاً قرآن سے ناآشنا ہو چکے ہیں ؎

یہ اصحابِ قرآں ہیں کیسے کہ ما
تَشَابَهَ مِنْهُ فَيَتَّبِعُوْنَ؟
کریں پارہ پارہ جو قرآن کو
فَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ
علاماتِ اعجازِ قرآن کیا؟
یہی کہ بِهَا يَكْفُرُ الْفَاسِقُوْنَ
تلاوت سنیں والہانہ، مگر
وَلَا يَهْتَدُوْنَ بِمَا يَسْمَعُوْنَ [2]

اور پھر شرفِ قرآن کا یوں بیان ہوا ہے ؎

ربیعِ قلوب و جلائے نظر
وَيَخْصَبُ لِلْمُرْاعِهَا الْمُجْدِبُوْنَ [3]
یہ مُردوں کو بخشے، نئی زندگی
وَيَحْيَا بِبَرْكَتِهَا الْمَيِّتُوْنَ [4]

---

[1]: خالد حیرت سے پوچھتا ہے کہ یہ اصحابِ قرآن کیسے ہیں جو متشابہ کا اتباع کرتے ہیں۔ [2]: یہاں خالد قرآنِ حکیم پر عمل کی دعوت ہے۔ وہ ایسے لوگوں پر تاسف کا اظہار کرتا ہے جو قرآن پاک کی والہانہ تلاوت تو کرتے ہیں لیکن اُسے چراغِ راہ نہیں بناتے [3]۔ شرفِ قرآن یہ ہے کہ یہ خشک کھیتوں کو ہرا کرتا ہے، قوت نمو اور احساسِ پاکیزگی بخشتا ہے اور عمل کی توفیق عطا کرتا ہے۔

کتاب کتب، مستبین و مبین
ہے یہ ہر کسی کے لیے رہنمون [1]

رباعیات میں بھی محامدِ قرآن انوکھے انداز میں بیان ہوئے ہیں مثلاً فضلِ ربی اور رضوانِ خدا کی تلاش کرنے والوں سے خالد کہتا ہے کہ قرآنِ پاک پر عمل پیرا ہوں۔ حصولِ مقاصد و مرادِ دلی کے لیے اتباعِ قرآن ناگزیر ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ "اہلِ قرآن" ہے۔ وہ سنّتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یعنی احادیث و سیرت اور قرآنِ کریم دونوں کا شیدائی ہے اور ایک دوسرے کے بغیر اس کی نظر میں تکمیلِ دینِ الٰہیہ نہیں ہوتی۔ خالد کہتا ہے ؎

جس کو ہے تلاشِ فضل و رضوانِ خدا
کہہ اس سے کہ بیکار نہ تکلیف اٹھا
قرآن میں جو درج ہے کر اس پہ عمل
اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلیٰ ؎

ایک دوسری رباعی میں خالد کہتا ہے کہ قرآن ہی میزانِ صداقت ہے۔ اگر اس پر عمل نہ کیا گیا تو قوم و ملت عدالت سے منحرف ہو کر ضلالت و گمراہی میں پڑ جائیں گے۔ پاکستان میں جو منظر نظر آتا ہے اور جو درماندگیاں اور وحشتیں نت نئی صورت پکڑ رہی ہیں اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ اہلِ پاکستان نے اس میزانِ صداقت سے منہ موڑ لیا ہے جو قائم المیزان ہے ؎

بے وقر ہوئی یہ کشورِ پاکستان
میزانِ صداقت التیامِ قرآن
عَبْدُ الدِّرہم کوئی، ابو الحرص کوئی
بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْاِیمَانِ [2]

۱؎ الحسن صریر ص ۹، ۱۷۷
۲؎ ،، ،، ص ۱، ۱۸۰
قرآن پاک کا شرف یہ ہے کہ اس کی تاثیر سے قحط زدوں کو زندگی ملتی ہے۔
۴؎ قرآن
۵؎ مزمورِ میر مغنّی صفحات ۷، ۶۶

خالد کہتا ہے کہ جو دل آیتِ قرآنی سے آباد نہیں ویرانہ کا حکم رکھتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ؎

جس سینے میں قرآں نہیں ویرانہ ہے
آسیب کا گھر ہے، شر کا کاشانہ ہے
جو دل کے نہیں، تارِ بدن کے چھیڑے
خالد وہ حقیقت نہیں، افسانہ ہے۔

تلاوتِ قرآں مقصود بالذات نہیں، اسے عمل کی تمہید ہونا چاہیئے۔ خالد علم و عمل کی یکجائی پر زور ڈالتا ہے۔ وہ حصولِ علم میں خود طامع ہے۔ اور دوسروں کو بھی حریص بناتا ہے۔ خالد کہتا ہے ؎

کرو علم حاصل، عبادت سے پہلے
کہ بے علم سے جانِ عالم خفا ہے
ہے جانِ جہاں الفتِ علم و عرفاں
یہی اسمِ اعظم ہے، نامِ خدا ہے
تفکّر، دل و عقل کا حجِ اکبر
یہ لوحِ طلسم خلاد ملا ہے
ادب سے ہو آباد ویرانہ دل کا
تفکّر نہیں جس میں وہ علم کیا ہے
ہوئی پہلے تخلیق عقل و قلم کی
فروغ اُن کو نورِ نبی سے ملا ہے
نبی نے اُولوالعلم کی روشنائی!
کو خونِ شہیداں سے افضل کہا ہے

خالد کا تصوّرِ علم محدود نہیں۔ بے انتہا وسیع ہے۔ وہ علومِ دینی کے ساتھ ساتھ حقیقتِ اشیا کی دریافت کی بھی دعوت دیتا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کو بھی علم سمجھتا ہے اور ان کے حصول کو الحاد و زندقہ نہیں سمجھتا بلکہ مسلمانوں کی متاعِ گم شدہ تصور کرتا ہے۔ لہذا ابن الہیثم اور ابن جبیر بننے کی تلقین کرتا ہے ؎

دیارِ جبر میں، ابنِ جبیر بن کے رہو
بہ مصرِ علم و تمدن بنو بُن الہیثم

دوسری جگہ سائنسی علوم کی تحصیل پر یوں زور دیتا ہے ؎

ہوا کی لہروں میں نغمے ہیں مرتعش: اسمع!
مہ و ستارہ صحیفے ہیں علم کے اعلم[1]

مزید کہتا ہے:

علوم انفس و آفاق کی کرو تحصیل
کہ جدّ و جہد ہے درمانِ غم علاجِ برَم
بنو محقق و عارف، مجاہد و صابر
لکھو جوابِ سوالاتِ مشکل و مُبہم[2]

اس کی نظر میں مردِ حُر تنگنائے عزم میں محصور ہو کر نہیں رہ جاتا ہے۔ وہ مصائب کی دیواروں کو توڑ کر ایک نئی دنیا آباد کرتا ہے۔ کوہِ غم کو کاٹ کر آبِ شیریں رواں کرتا ہے۔ عمل اور جدّ و جہد کی دعوت دیتے ہوئے وہ حدیثِ جفّ القلم[4] کو بھی مانعِ کوشش نہیں سمجھتا۔ وہ کہتا ہے ؎

سمندِ عزم کو مہمیز کر کے دیکھو تو
نہیں ہے مانعِ کوشش حدیثِ جفّ قلم
صفات و ذات کی پہنائیاں ہوں جولانگاہ
کہ مردِ حُر نہ ہو محصورِ تنگنائے عزم[3]

خالد کی نظر میں محا قرآن میں اولیت اس قرآنی تعلیم کو حاصل ہے جو حصولِ علم کی دعوت پر مشتمل ہے۔ وحی اوّل میں

---

۱ : منحنا، ص ۷۹
۲ : " ص ۶۹
۳ : " ص ۵۹
۴ : قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا اس کو لکھ کر قلم سوکھ گیا۔

"اقراء" یعنی پڑھ سے شروع ہوتی ہے۔ حصولِ علم کے بعد عمل کی منزل آتی ہے۔ تدبرِ قرآنِ حکیم نے خالد کو علامہ اقبال کی طرح اس نتیجے پر پہنچایا ہے کہ اصل میزانِ ایمان عمل ہے۔ لہذا وہ عمل پر ان الفاظ میں زور دیتا ہے۔

عمل سے ہم کو غرض ہے حسب نسب سے نہیں
ابولہب سے ہے اکرم نجاشیِ اصحم[1]

علم وعمل کی تعریف کے بعد وہ ان کی یکجائی پر زور ڈالتا ہے اور اسے خالد شرفِ قرآن کا نہایت روشن و منور باب تصور کرتا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ جہانِ اسلام اس وقت تک سرفراز نہیں ہو سکتا جب تک عالمِ اسباب میں خرد افروزی اور سائنس اور ٹیکنالوجی سے دامن کشاں رہے گا۔ لہذا وہ علم وعمل کی قرآنی معنویت کی تہیں کھولتا ہے۔

عمل ہے علم کا مقصود قیل وقال نہیں
وسیلۂ زود منصب نہیں کتاب و قلم
ڈھلے نہ گر عمل و معرفت میں علم کتاب[2]
ہیں ایک حاملانِ اسفار و حاملانِ حرم[3]

لہذا تلاوتِ قرآن اور تدبرِ قرآن کے ساتھ ساتھ وہ اس پر عمل کی بھی دعوت دیتا ہے۔

قرآن پڑھا، حلق سے آگے نہ بڑھا
بدنام کیا نام مسلمانی کا
فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ
وَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا[4]

---

[1] ایضاً ص ٦٦
[2] " ص ۵۵
[3] " ٩٦-١٨٩

صرف قرآن اور کیا ہوگا۔ یہ وہ حصارِ محکم ہے جہاں فنا کا گزر نہیں ہوتا ؎

اگر بقا کا ہے ارماں: فتعاھدوا القرآن
کہ ہے یہ سیلِ فنا میں حصارِ مستحکم ؎

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن وہ راہ دکھلاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے۔ خالد اس آیت قرآنی کی تضمین کرتا ہے ؎

دلیل ثابت و برہانِ روشن و غرّا
یہ ذکر ہے یھدی للتی ھی اقوم ؎

قرآن کے محارم کو حلال کرنے والوں سے خالد یوں مخاطب ہوتا ہے ؎

قرآں کے محارم کو جو کرتے ہیں حلال
کرتا ہے یہ عاجز بہ ادب ان سے سوال
مانا کہ اولوالامر ہو، لیکن کب تک
لا بُدَّ مِنَ الْمَوتِ علیٰ کلِّ حال ؎

خالد اتباعِ قرآن کو انسان کے جملہ عوارض و علل کا درماں سمجھتا ہے۔ وہ بار بار قرآں کی جانب لوگوں کو بلاتا ہے۔ وہ قرآن پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ خو بہ خو اسلوب میں دعوتِ فکر و عمل دیتا ہے۔ وہ معرفت آموختگان سے سوال کرتا ہے ؎

سچ سچ کہو اے معرفت آموختگاں!
کیا سارے مذاہب و ملل ہیں یکساں؟
انساں کے عوارض و علل کا درماں
ہے کوئی تو صرف اتّباعِ قرآں ؎

؎ منتخبات ص ۵۷

اس رباعی میں خالد نے ایک اور نکتۂ بلیغ پیش کیا ہے کہ قرآں عالمِ انسانیت کے درد کا درماں ہے ۔ اگر انسانیت ایک وحدت میں خود کو سموئے اور مذاہب وملل یوں قرآنی سانچے میں ڈھل جائیں کہ فکر و نظر کا بُعد باقی نہ رہے ۔ خالد کی مصلحانہ شاعری کا یہی لُبِ لباب ہے ۔ اس کی یہی دعوتِ عزیمت ہے ۔

خالد کے ذہن میں قرآن کے بارے میں کبھی کبھی ایسے شاعرانہ سوال بھی ہلچل مچا جاتے ہیں، جن کا شافی جواب مجھ جیسے عاجز کے لیے محال ہے ۔ وہ بڑی معصومیت سے یہ سوال اُٹھاتے ہیں ؎

ہنگامۂ مجمل و مفصل کیا ہے ؟
کلمہ کی جگہ ، تابعِ مہمل کیا ہے ؟
قرآں اگر کلامِ ربی ہے ، تو پھر
یہ ناسخ و منسوخ و مؤوّل کیا ہے ؟

خلاصۂ تحریر یہ ہے کہ خالد کے شعری موضوعات میں شرفِ قرآن کا ذکر ایک مستقل موضوع اور مخصوص جہت کا حکم رکھتا ہے ۔ وہ نعت گوئی اور حمد نگاری کی طرح قرآن کی مدحت خوانی میں بھی منفرد و یگانہ مقام رکھتا ہے ۔ اُردو میں اُس کا مدِ مقابل کوئی نہیں ۔ عربی میں قصیدۂ بردہ میں علامہ بوصیری نے ایک فصل میں محامدِ قرآن بیان کیے ہیں ۔ شاید خالد کو اس سے استفادہ کا ملا ہو ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

کامل القادری

معرکۂ حق و باطل کلامِ خالد کے آئینے میں

معرکۂ حق و باطل میں ہمیشہ حق غالب آتا ہے۔ باطل مٹ جاتا ہے۔ بقا، حق اور صرف حق کے لیے ہے۔ باطل کی تقدیر فنا ہے۔ اس قرآنی تصور کو خالد نے نو بہ نو پیراہن میں پیش کیا ہے، تاکہ مردانِ کار باطل کی لمحاتی کامیابی سے آزردہ خاطر نہ ہوں اور قیامِ حق کی جد و جہد میں ثابت قدم رہیں۔ عزم و ثبات کا مظاہرہ کرتے رہیں۔ خالد کہتا ہے ؎

گناہ و ظلم کی کھیتی پنپ نہیں سکتی
علی کو مار کے خود بھی نہ جی سکا ملجم

باطل پر حق کی فتح ناگزیر ہے۔ قرآنِ حکیم میں اس حقیقت کی جانب واضح اشارہ کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے:

اور ہمارا قانون یہ ہے کہ حق، باطل سے ٹکراتا ہے اور اسے پاش پاش کر دیتا ہے۔ اور اچانک ایسا ہوتا ہے کہ وہ نابود ہو گیا۔ (۲۱ : ۸)

دوسری جگہ آیا ہے ؎

اور کہہ کہ حق نمودار ہو گیا اور باطل نابود ہوا اور یقیناً باطل نابود ہونے والا تھا۔ (۱۷ : ۸۱)

یہی نہیں قرآنِ حکیم نے فلاح و سرفرازی کا اثبات نیک عملی کے لیے کیا ہے اور ظلم و فساد اور جملہ اعمالِ بد کے لیے فتح مندی و کامرانی کی نفی کی ہے اور کہا ہے کہ اتمامِ حجت کی مہلت ہے اور قانونِ امہال کے تحت اسے مہلت ہے بالآخر اسے فنا کے گھاٹ اُتر جانا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

۱۔ بلاشبہ جو ظلم کرنے والے ہیں، وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ ۲۱ : ۶

۲۔ اللہ کا قانون تو یہ ہے کہ وہ ظلم کرنے والے گروہ پر سعادت کی راہ نہیں کھولتا۔ ۸۶ : ۲

۳۔ اور اللہ (کا قانون ہے کہ وہ) منکرینِ حق پر (کامیابی و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا۔ ۳۷ : ۹

۴۔ یقیناً جرم کرنے والے کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ ۱۷ : ۱۰

۵۔ اللہ کا یہ قانون ہے کہ وہ مفسدوں کا کام نہیں سنوارتا۔ ۸۱ : ۱۰

۶۔ یقیناً کفر کرنے والے کبھی کامیابی نہیں پائیں گے۔ ۱۱۷ : ۱۰

۷۔ اور اللہ ان لوگوں پر (فلاح و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا جو کفر کی راہ
اختیار کرتے ہیں۔ ۲ : ۲۶۴

۸۔ اے پیغمبر تم کہہ دو (فلاح و سعادت کی راہ تمہارے لیے ایک ہی ہے اور
وہ یہ ہے کہ) اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر یہ لوگ روگردانی
کریں تو اللہ کفر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ ۳ : ۳۲

ان آیاتِ کریمہ میں واضح طور پر "حق" اور "باطل" کے درمیان خطِ امتیاز کھینچ دیا گیا ہے اور دونوں کی حقیقتیں بیان کر دی گئیں ہیں اور پھر قاعدہ کلیہ یہ پیش کیا گیا ہے کہ فلاح و سعادت حق کے لیے ہے اور باطل کے لیے فنا ہے۔
خالد کی نظر انہی معارفِ قرآنی پر مرکوز ہے، وہ کہتا ہے کہ وقتِ موعود پر باطل کا ابطال اور احقاقِ حق ہوتا ہے بالآخر مجرم پکڑے جاتے ہیں اور پاداشِ عمل پاتے ہیں۔ نیک اعمال کا بدلہ نیک اور بد اعمال کا بدلہ بد ہے۔ اس ہاتھ دے، اس ہاتھ لے کا اصول نظامِ فطرت اور بنی نوعِ انسانی کے مابین قائم ہے۔ کارخانۂ قدرت، مکافاتِ عمل کی حکمت پر استوار ہے ؎

ہو باطل کا ابطال، احقاقِ حق
یقیناً وَلَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْن

خالد کہتا ہے کہ جس طرح لہو آستین کا پکار اٹھتا ہے، اسی طرح حق چھپائے نہیں چھپتا، حق ایک ایسی روشنی ہے جسے ظلمت اسیر نہیں کر سکتی ؎

وہ کرتے ہیں دانستہ کتمانِ حق
کہیں حق بھی چھپتا ہے ھُمْ یَعْلَمُوْن
صداقت مُبَرْھَن ہے حق واشگاف
وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ یَجْھَلُوْن

یہی نہیں، دینِ حق تمام ادیان پر غالب ہو کر رہتا ہے۔ خالد کہتا ہے ؎

ہو غالب سب ادیان پر دینِ حق
بلاشک وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْن

حق ـــ ایک صفتِ جاودانی ہے اور باطل نمودِ سراب۔ قرآنِ حکیم میں آیا ہے ؎

"اس نے آسمان سے پانی برسایا تو اپنی سمائی کے مطابق وادیاں بہہ نکلیں اور میل کچیل سے جھاگ بن بن کر پانی کی سطح پر اٹھا تو سیلاب کی رَو اسے بہالے گئی۔
اور دیکھو اس طرح کا جھاگ (میل کچیل سے) اس وقت بھی اٹھتا ہے، جب لوگ زیور یا کوئی اور چیز بنانے کے لیے (دھاتوں کو) آگ میں تپاتے ہیں۔

حق اور باطل کے معاملے کی مثال ایسی ہی سمجھو جو اللہ بیان کرتا ہے، پس (میل
کچیل کا) جھاگ (جو کسی کام کا نہ تھا) رائیگاں گیا۔ اور جس چیز میں انسان کے
لیے نفع تھا، وہ زمین میں رہ گئی۔ اسی طرح اللہ (لوگوں کی سمجھ بوجھ کے لیے)
مثالیں بیان کر دیتا ہے۔ (الرّعد ۱۳ : ۱۷)

خالد کی تذکیر و موعظت کا محور اقامتِ حق کے ماسوا کچھ نہیں، وہ زندگی کے ہر شعبۂ حیات میں حق کی فرمانروائی دیکھنے کا متمنّی ہے۔ جہاں ظلم ہے، باطل سر اٹھاتا ہے، وہاں خالد کی نگاہِ برق پاش پہنچتی ہے اور معرکۂ حق و باطل شروع ہو جاتا ہے۔

خالد جبر و استبداد اور جملہ اوضاعِ آمریت اور طریقہ ہائے حکمرانی کے خلاف ہے، خلاف ہی نہیں، اسے باطل قرار دیتا ہے۔ لہٰذا وہ حاکمانِ وقت کو متنبہ کرتا ہے کہ دیکھو تم ہلاکت کے راستے پر سرپٹ دوڑے جا رہے ہو اور تمھیں انجام کی خبر نہیں، تم صیدِ اجل ہو، تم مٹ جاؤ گے کہ باطل کی فطرت ہی ایسی ہے۔ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ خالد حاکمانِ وقت سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ فکر کو جو نظر بند رکھتے ہیں، آزادیِ اظہار پہ جو قدغن لگاتے ہیں، وہ باطل ہیں اور تمھیں معلوم ہے کہ قانونِ امہال کے تحت باطل کچھ دیر باقی رہتا ہے لیکن بالآخر مٹ جاتا ہے، لہٰذا ہم ان لوگوں کے طالع گردش کا انتظار کرتے ہیں جو باطل حکم دیتے ہیں ؎

نظر بند رکھتے ہیں جو فکر کو
بِهِمْ نَتَرَبَّصُ رَيْبَ الْمَنُوْن

اور جو اظہار پر قدغن لگاتے ہیں، وہ صریحاً خدا کی آیتوں سے انصاف نہیں کرتے۔ حق سے منہ پھیرتے ہیں ؎

لگاتے ہیں قدغن جو اظہار پر
ہیں خودسر، بِاٰيَاتِنَا يَظْلِمُوْن

ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ متنبہ کرتا ہے کہ وہ (اللہ) ان کے کرتوت سے بے خبر نہیں ہے) وہ جو کچھ علانیہ یا چوری چھپے کرتے ہیں، اس سے وہ باخبر ہے۔ باطل کی نمود نفس دو نفس سے زیادہ نہیں، بالآخر وہ اپنی فطری موت سے ہم کنار ہو کر رہے گا ؎

سمجھتے ہیں غافل مُغَفَّل ہمیں
وَاَعْلَمُ نَحْنُ بِمَا يَصْنَعُوْن

یہ باطل پرست نورِ نظر سے عاری ہیں۔ اللہ کی آیتوں سے منہ پھیرتے ہیں ؎

بصارت تو ہے پر بصیرت نہیں
ہیں کج رو عَنْ اٰيَاتِنَا يَصْدِفُوْن

باطل پرستوں کی طرح طرح کی قسمیں ہیں اور طرح طرح سے بطلانِ حق کرتے ہیں، خالد ان سب کا تفصیلاً

ذکر کرتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ؂

رہیں محوِ خواب و خیال و خمار
وَعَنْ ذِكْرِهٖ غَفَلَ الْغَافِلُوْنَ
خرد خواہشوں کی غلامی کرے
کہاں ہے دلِ مطمئن و طموں؟
نہ حفظِ امانت، نہ صدقِ حدیث
وَفِي الْبَاطِلِ يَعْدُ الْعَالِمُوْنَ
کریں فیلسوفی کی باتیں ہمیش
عَلَى اللّٰهِ الْكِذْبَ يَفْتَرُوْنَ
نہ خشیت خدا کی، نہ انساں سے انس
عَلٰى شَرِّ رَبِّهِمْ فَيَتَّكِئُوْنَ

اربابِ جاہ اپنی مطلب براری اور نمود و نام کے لیے زر صرف کرتے ہیں۔ لیکن اہلِ حاجت کی ضرورت پوری نہیں کرتے۔ حالانکہ خیرات کا حکم یہ ہے کہ حقیقی حاجت مندوں کو دی جائے۔ نہ کہ پیشہ ور مانگنے والوں کو۔ حکمِ خداوندی تو یہ ہے:۔

"خیرات تو ان حاجت مندوں کا حق ہے جو (دنیا کے کام دھندوں سے الگ ہو کر) اللہ کی راہ میں گھر کر بیٹھ رہے ہیں (یعنی صرف اسی کام کے ہو رہے ہیں)، انھیں یہ طاقت نہیں کہ (معیشت کی ڈھونڈھ میں) نکلیں اور دوڑ دھوپ کریں (پھر باوجود فقر و فاقہ کے) ان کی خودداری کا یہ حال ہے کہ (ناواقف آدمی دیکھے تو خیال کرے کہ انھیں کسی طرح کی احتیاج نہیں) تم ان کے چہرے دیکھ کر ان کی حالت جان لے سکتے ہو، لیکن وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کبھی سوال کرنے والے نہیں۔ اور (یاد رکھو) تم جو کچھ بھی نیکی کی راہ میں خرچ کرو گے تو اللہ اس کا علم رکھنے والا ہے (۲ : ۲۷۳)

خدا کا یہ واضح حکم ہے، لیکن جاہ پرست اور دولت مند لوگوں کی اخلاقی گراوٹ اور شقاوت کا حال یہ ہے کہ وہ برمحل خرچ کرنے کے بجائے اپنی نفس پرستی کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ یہ ان کی بد عملی ہے۔ یہی باطل ہے ؂

کریں رام لوگوں کو اربابِ جاہ
بہرحال بِاِعْطَاءِ مَا يَطْلُبُوْنَ

اگر اہل حاجت ہوں منہ پھیر لیں
ولٰکِن لِلّاٰوغادِ ھُمْ یَبْذُوْن

کریں خرچ لیکن کراہت کے ساتھ
قلوب ان کے منکر ہیں، مُسْتَکْبِرُوْن

اور واعظوں اور عالموں کا یہ عالم ہے کہ وہ فصاحت و بلاغت کے دریا تو بہا دیتے ہیں، لیکن خود برائی سے نہیں بچتے۔ وہ عمل سے تہی اور بے نتیجہ ہیں۔ ان کی پچھے دار خطابت اور پُرشوکت وعظ نفس لذّت پرست کے مکروفسوں سے زیادہ نہیں۔ جو کہو وہ کرو، اور جو کرو سو کہو۔ خالد کہتا ہے ؎

زباں وعظ گو نفس لذّت پرست
ہیں آمر وَلَاَ مُنْکَراً یُنْکِرُوْن

اور یہ حاکم اپنی تنخواہ پر کفایت نہیں کرتے، وہ رشوت کی ٹوہ میں رہتے ہیں، بد دیانتی سے دوسروں کے مال پر ہاتھ مارتے ہیں اور اکلِ حلال کے بجائے رزقِ ممنوع کے کسب میں لگے رہتے ہیں، یہ بھی باطل پرست ہیں اور قاطِعِ حق ؎

کفایت کریں اپنی تنخواہ پر
نہ حاکم اَلَا سَاءَ مَا یَحْکُمُوْن

اور ان غلامانِ زر کا یہ حال ہے کہ پڑی پر تلووں سے دیدے ملتے ہیں ؎

ہو مطلب تو تلووں سے دیدے ملیں
غلامانِ زر ہیں، وَلَا یُنْصِفُوْن

اور ان کے احکام حدودِ عدل سے سراسر تجاوز پر مبنی ہوتے ہیں، وہ ظالمانہ احکام صادر کرتے ہیں اور لوگوں پر حد سے سوا تشدّد کرتے ہیں ؎

بڑھیں کیوں نہ اموال عمّال کے
وَبِالطّیش ظُلْمًا فَھُمْ یَحْکُمُوْن

اور یہ لوگ خدا کے سوا ہر آستانے پر سجدہ ریزی کرتے پھرتے ہیں ؎

کریں سجدہ ہر آستاں پر مگر
یہ بے وحدت اللہ لَا یَعْبُدُوْن

اہلِ بست وکشاد کی اخلاقی گراوٹ کے ساتھ ساتھ وہ دوسری معاشرتی برائیوں پر بھی توجہ کرتا ہے، مقصود اصلاحِ حال ہے۔ وہ مزار پرستی کے بارے میں کہتا ہے ؎

مزاروں پہ جا کر کرو اعتکاف
بِغَیْرِ اللہِ اِنَّکُمْ تَنْذُرُوْن

خالد کہتا ہے کہ مزاروں پر جا کر اعتکاف کرتے ہو اور تم ماسوا کو چڑھاوے چڑھاتے ہو، یہ بھی حق سے سراسر روگردانی ہے۔ وہ سبّ وشتم، طعنہ اور اہانا کو امرِ قبیح قرار دیتا ہے اور زبان درازی، مسخری اور ٹھٹھا نیز گالی گلوچ اور فحش گوئی کو بد اخلاقی اور بداعمالی قرار دیتا ہے اور ان سے محفوظ رہنے کی تلقین کرتا ہے ؎

ہے فحش وشناعت اک امرِ قبیح!
سنو اَبْغَضُکُمْ مُتَشَدِّقُوْن

غیبت قطعِ رحم ہے، خالد کہتا ہے ؎

کرو غیبت احباب و آلاف کی
اور اس طرح اَرْحَامَکُمْ تَقْطَعُوْن

قسمیں کھانا بھی فعلِ قبیح ہے۔ خالد کہتا ہے۔

نہیں قسمیں نعم البدل کسب کا
ہے بے سود گو یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْن

بنی نوع سے اُنس کا زمزمہ خالد کے یہاں بار بار سنائی دیتا ہے، وہ اس جذبۂ انس کو بھی عین حق پرستاری سمجھتا ہے۔ یہی قدرِ اُنس انسان کے مابین اُخوّت وتواضع، مروّت ومساوات اور تمدّن ومعاشرت کی تمہید بنتا ہے۔ حُبِّ اللہ، حُبِّ رسول اور حُبِّ مخلوقاتِ خالد کا جزوِ ایمان ہے۔ اس کی تمام تخلیقات اور کلام میں اس کا بڑا شوخ رنگ نظر آتا ہے، اور صلہ رحمی کا تقاضا ہے کہ بنی نوعِ انسان سے انس ہو، خالد کہتا ہے اس کے بغیر تو جنّت میں داخلہ بھی نہ ہوگا ؎

کہ جب تک نہ ہوگا بنی نوع سے
تمھیں اُنس اَلْخُلْدَ لَا تَدْخُلُوْن

غرض کہ خالد اپنی تین اہم ترین تصانیف "فارقلیط" "منحمنّا" اور "مزمورِ میرِ مُغنّی" میں حق پرست افراد، حق پرست جماعت اور حق پرست معاشرے کے صفاتِ حسنہ عبادات، معاملات اور صلہ رحمی کے دائرے بتاتا ہے، اور وہ اجتماعی اور انفرادی دونوں سطحوں پر حق کا بول بالا دیکھنے کا متمنّی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے باطل پرستوں، شقاوت کے علمبرداروں اور بدکاروں کے قول وفعل کا بھی تفصیلی جائزہ لیا ہے اور ان کی صورت و

شباہت دکھائی ہے اور انھیں بد اعمالیوں کے ہلاکت خیز نتائج سے خبردار کیا ہے۔

خالد ایجابی و سلبی، نافع و غیر نافع اور حق و باطل کے مابین واضح خطِ امتیاز کھینچتا ہے اور دونوں کی حقیقت و ماہیت پر روشنی ڈالتا ہے، اور پھر انھیں بشارت دیتا ہے کہ اچھے اعمالِ انسانی کے نتائج ہمیشہ سرفرازی سے عبارت ہوتے ہیں اور اعمالِ بد کا نصیب افنا ہے۔ یوں خالد اپنے قارئین کے دلوں میں اعلیٰ اقدارِ حیات کو اپنانے کا شوق پیدا کرتا ہے اور منفی رویّوں سے محفوظ رہنے کی قوت اُبھارتا ہے۔

توحید، رسالت اور کتابِ ہدایت کی مدحت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ وہ رسولِ اکرمؐ کے اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ ستودہ کے ذکر سے الاؤ روشن کرتا ہے، اور پھر ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کی کبریائی کو خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے، اس کے کلام کا شرف بیان کرتا اور اسے ایک بے مثال انعام قرار دیتا ہے اور پھر وہ ابنائے زمانہ قوم، ملک، وطن، ملتِ ابراہیمیہ کا ذکر کرتا ہے اور ان کے زوال پر اشکِ خونیں برساتا ہوا از سرِ نو ثبات و عزم کا جذبہ پیدا کرنے کی دھن میں لگ جاتا ہے —— وہ نہایت ژرف نگاہی سے زوال کی وجہ کو دیکھتا ہے۔ اور قانونِ خدا کی جلی و خفی حکمتوں اور اسرارِ نہاں پر نظر کرتا ہے اور پیغامِ حیات پہ زور دیتا ہے۔ اس کے پیام کا خلاصہ یہ ہے کہ حصولِ علم میں کوشاں رہو۔ نیک عمل کرو۔ علم و عمل میں یکجہتی پیدا کرو، عدل کرو، حق پرست بنو، شعور کی روشنی میں ملتِ ابراہیمیہ کا بول بالا کردو اور دنیاوی اور اُخروی دونوں سعادتوں سے دامانِ مراد بھر لو۔

دعوتِ حق میں جس اسلوب اور لب و لہجہ، رنگ و آہنگ میں خالد نے دیا ہے، وہ قابلِ دید ہے۔ اس میں حُسن ہے، خوشبو ہے، رنگ ہے، اثر و نفوذ کی قوت ہے، دل میں اُترنے کی ادا ہے، شاعرانہ محاسن سے مملو ہے۔ ہاں اگر کوئی خامی ہے تو غزل کے شعروں جیسی بکھراؤ کی، اور تذکیر و تنذیر کے لیے یہ بکھراؤ ایک بناؤ ہے۔ اب کوئی بل بکو اسے شاعری تسلیم نہیں کرتا تو نہ کرے لیکن بلاشبہ خالد نے ایک مفید خدمت انجام دی ہے۔

کامل القادری

تذکیر و تنذیر — خالد کی شاعری کا ایک پہلو

تعلیماتِ خالد کا مبداءِ فیض قرآن و سنّت ہے۔ وہ فلسفی نہیں، کلامیہ نہیں، وہ شاعر ہے اور اپنی شاعری میں وہ شارح مفسّر اور مبلّغ کا روپ اختیار کرتا ہے۔ وہ پند و موعظت کے ذریعے بنی نوع انسان کو بیدار کرتا ہے اور امرِ حق سے روگردانی یا انکار و بد عملی کے نتائج سے خبردار کرتا ہے۔ اپنی تین اہم ترین تصانیف " فارقلیط "، "منحمنّا" اور "مزمورِ میرِ مغنّی" میں اس نے قرآنِ حکیم کی دعوت کو نو بہ نو اسلوب میں پیش کیا ہے۔ اس کے ڈراموں کے تینوں مجموعوں میں سے بیشتر ڈراموں کا نفسِ موضوع بھی تذکیر و تنذیر ہی ہے، ان ڈراموں میں قابیل اور آشور بنی پال بلحاظِ فن، شاعرانہ خوبیاں اور تذکیر و تنذیر خاص ہیں اس کی رباعیوں، غزلوں اور قومی و رثائی نظموں میں بھی موعظت کی جھلکیاں ملتی ہیں، اور تمام داعیوں کی طرح اس کے یہاں بھی تکرارِ مضامین کی قلت نہیں۔ ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھنے کا انداز ہے، نیز ترتیبِ مضامین اور ترسیل و ابلاغِ فکر و خیال کے لحاظ سے متذکرہ تصانیف (فارقلیط، منحمنّا، مزمورِ میرِ مغنّی) میں ذاکر کی سحر کاریاں سمٹ آئی ہیں۔ ان میں اطناب ہے، تحیّر زائی، افراطِ نعت اور تکرارِ مضامین ہیں۔ کہیں کہیں ایجاز بلاغت بھی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک اعلیٰ درجے کی خطابت کے محاسن و اوصاف ایک اعلیٰ درجے کی نظم کے منافی ہوتے ہیں۔ یہ تینوں نظمیں فنّی لحاظ سے حسنِ توازن اور ترتیبِ مضامین کے لحاظ سے محلِ نظر ہی نہیں تفہیمِ مطالب میں پیچیدگی ڈالتی اور رخنہ پیدا کرتی ہیں۔ ایک بلند پایہ قصیدہ اور اعلیٰ درجے کی نظم کی خوبیوں میں نامیاتی ارتفاع ناگزیر ہوتا ہے۔ دنیا کی قدیم ترین نظم "سفرِ ایوبؑ"[1] شمار ہوتی ہے! پھر رگ وید، غزل الغزلات اور بہت بعد یونانی اور سنسکرت کے رزمیوں کا شمار ہوتا ہے۔ ان سب میں نامیاتی ارتفاع ہے لیکن خالد کی مندرجہ بالا تصانیف میں نظم ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی اپنے انجام کو نہیں پہنچتی بلکہ وہ ایک ایسے جوئے آب دریا سے مشابہ ہے جو ہموار میدانی علاقے سے گزر رہا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہومر اور بالمیکی کی فنّی خوبیاں خالد کی نظموں میں پیدا نہ ہو سکیں۔

مزمورِ میرِ مغنّی میں مضامین کی بے ترتیبی زیادہ ہے، فارقلیط میں اطناب کی وجہ سے مضامین کی ترتیب متاثر ہوئی ہے۔ اور منحمنّا میں مختلف ابواب مل کر وحدتِ تاثّر قائم نہیں رکھ سکے ہیں۔ فنّی لحاظ سے یہ کہنا محال ہے کہ خالد نے طویل نظم

---

[1] مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں " اصلاً قدیم عربی میں لکھی گئی تھی، حضرت موسیٰؑ نے اسے قدیم عربی سے عبرانی میں منتقل کیا تھا " "سفرِ ایوب" کا ایک ایک جملہ کہہ رہا ہے کہ میں شعر ہوں نثر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے محققینِ تورات نے اسے بھی امثال اور زبور کی طرح اصلاً کتابِ منظوم ہی قرار دیا ہے بلاغتِ کلام، شعریتِ بیان اور بلندیٔ اسلوب کے لحاظ سے اس درجہ کی کتاب ہے کہ عہدِ عتیق کا کوئی صحیفہ امثال و زبور مستثنیٰ کر دینے کے بعد اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔" (ترجمان القرآن حصہ دوم ۱۹۰، ۵۱) اس کا عہدِ تصنیف یقیناً ۱۲۵۰ء ق م ہے۔

لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ غالبًا اس کی وجہ نفسِ موضوع ہے۔ تذکیر و تنذیر اور تبشیر و دعوت کا حق خطیبانہ اسلوب ہی میں ادا ہو سکتا تھا، اور خالد کا یہ پیغمبرانہ اسلوب قرآن حکیم سے مستفاد ہے جو شاعری نہیں بلکہ کتابِ ہدایت و رحمت، صحت و شفا، نور و قاطعِ ظلمت ہے اور وہ کتاب ہے جو پیغمبرِ اسلام پر اس لیے نازل کی گئی کہ اس کے ذریعے لوگوں کو انکار و بدعملی کی پاداش سے خبردار و ہوشیار کر دیا جائے اور ایمان رکھنے والوں کے لیے بیداری و نصیحت کا موجب بنے۔ گویا نزولِ وحی کے منجملہ مقاصد میں تذکیر و تنذیر اور تبشیر بھی شامل ہیں۔

"زمزمۂ میر مغنّی" تذکیر و دعوت، تنذیر و تنبیہہ اور تبشیر و جزاءِ عمل کے اعتبارات سے بے مثال ہے اس کا اسلوب پیغمبرانہ ہے۔ ۴۰۵ اشعار پر مشتمل نظم میں معدودے چند اشعار کو چھوڑ کر تمام تر اشعار کا ایک مصرع اُردو اور دوسرا عربی میں ہے اور عربی مصرعے زیادہ تر آیاتِ قرآنی کی تضمین ہیں۔ تضمین میں خالد نے بڑی آزادی برتی ہے۔ بعض تضمینیں پُر لطف ہیں، بعض توجہ طلب اور بعض محلِ نظر بھی ہیں۔

خالد کے فکر و فن کا افق قرآن مبین کے انوار سے منوّر ہے۔ اس کی دعوتِ حُسنِ خطابت سے مبرّا نہیں۔ وہ اچھّی باتوں کی طرف بلاتا اور بُری باتوں کی ہلاکت خیزی سے خبردار کرتا ہے۔ لیکن کیا معلوم و مقرر تعلیمات کو منظوم کر دینا شاعری ہے؟

یہ سوال نہایت پیچیدہ ہے۔ ایک طبقۂ نقد الادب اسے شاعری کے زمرے سے خارج کرتا رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم کا منظوم ترجمہ کرنے والے علم و فضل کے لحاظ سے بزرگ و محترم تو شمار ہوئے لیکن بڑے شاعر کی حیثیت سے کوئی مرتبہ نہ پا سکے۔ محض معلوم مضامین کو منظوم کر دینا تو کوئی بات نہیں گو یہ بھی بڑی بات ہے۔ عروض و قوافی، صنائع و بدائع طرزِ ادا اور اسلوب پر دسترس ہوتے ہوتے ہوتی ہے، مَر مَر کے کوئی اپنی آواز کو پاتا ہے۔ خالد نہ صرف بے مثال مترجم اور علمِ عروض کے دقائق کا نباض ہے بلکہ قناطیرِ لُغات کا بھی حامل ہے اور بقول علّامہ عبدالعزیز میمن پوری اُردو شاعری کی تاریخ میں کوئی اسلامیات اور عربی کا اتنا بڑا ماہر اور باخبر شاعر و ادیب نہیں۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا عبدالماجد دریابادی بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار فرماتے ہیں۔ بھلا ہم جیسے ہیچمداں پنبہ در دہاں کو دم مارنے کی کب جسارت ہو سکتی ہے؟

خالد نے "زمزمۂ میر مغنّی" میں جس لب کِ عربی کو برتا ہے۔ وہ جدید عربی نہیں، بلکہ تمام تر دو ڈھائی سو مصرعوں کو چھوڑ کر، قرآنِ حکیم کی عبارتیں ہیں جنہیں اگر وہ تضمین کرنے سے قاصر رہتا ہے تو اپنے طور پر کتر بیونت کر چسپاں کر دیتا ہے سینکڑوں اشعار پر مشتمل اس تصنیف کے قوافی بیشتر قرآنِ حکیم سے ماخوذ ہیں اور علمِ قوافی کے لحاظ سے محلِّ نظر بھی ہیں۔ اسم و فعل کے مختلف صیغوں سے مشتق الفاظ کے آخری جُز "ون، کون، مون" وغیرہ پر مدار رکھا گیا ہے۔ خالد نے خوانندگانِ کرام کی توجہ ماخذ کی جانب اپنے مخصوص انداز میں یوں مبذول کی ہے؟

فراغت ملے تو پڑھو دوستو!
ز اعراف تا سورۂ مومنون

حقیقت یہ ہے کہ کلامِ ربّانی کے معارف، احکامِ امر و نواہی، اخلاقی تعلیمات نیز احادیث پر گہری نظر کے بعد ہی

خالد کے فکر و نظر کے مصادر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کلامِ نبوت سے کر اقتباس

اِلٰی صاحبِ العقل تَشُوم العیون

خالد ایک ایسا ہیکٹر شاعر ہے جو انکشافِ ذات کو شاعری کی ایک جہت سمجھتا ہے، ساری پونجی نہیں۔ اُس کے عندیے میں عظیم المرتبت شاعر وہی ہے جو جامع نظامِ حیات کی تبلیغ کرے اور دینِ اسلام کی جامعیت و اکملیت سے کسے انکار ہو سکتا ہے؟

خالد نے کم و بیش اپنی تمام تصانیف میں اپنے نظریۂ فن کو پیش کیا ہے۔ وہ ہیئت و مواد دونوں پر یکساں زور دیتا ہے۔ جدتِ لفظی و معنوی کا شیدائی ہے۔ معنیٔ نغز و لفظ بدیع پر جان چھڑکتا ہے۔ طرزِ ادا میں ابلاغِ معنی و ترسیلِ مطالب کو مقدم رکھتا ہے۔ نہ اتنا چھپاتا ہے کہ کچھ نظر نہ آئے، نہ اتنا کھولتا ہے کہ طبعِ نازک پر فکر کی عریانی گراں گزرے۔ خالد حقیقی شاعر کے بارے میں کہتا ہے کہ جو دل پر گزرتی ہے۔ وہی وہ رقم کیا کرتا ہے ؎

غمِ دل کا پردہ غزال و غزل

ڈھلیں فن میں کامِنات الشجون

یعنی دردِ نہاں ہی نغمے میں ڈھلتا ہے، اس کی اساس بنتا ہے اور شاعری غمِ دل کے پردہ کے ماسوا کچھ نہیں میرؔ نے بھی کہا تھا ؎

کیا تھا شعر کو پردہ سخن کا

اور یہ دردِ نہاں کیا ہے؟ غزل گو شعراء کے یہاں تو ایک گوشت پوست کا محبوب ہوتا ہے یا پھر محبوبِ حقیقی، دردِ مہجوری اور نغمۂ اشتیاق خالد کے یہاں بھی ہے اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ، ملتِ ابراہیمی کے زوال کا غم مستزاد ہے۔ وہ عالمِ اسلام کے عہدِ عروج پر نظر کرتا ہے اور پھر زوال کو دیکھتا ہے اور بے چین ہو جاتا ہے وہ چاہتا ہے کہ عزم و ثبات کا عہد از سرِ نو لوٹ آئے اور ملتِ ابراہیمی کے تنِ مردہ میں جان پڑ جائے۔ وہ شاخِ زیتون پر نغمہ زن کبوتر کی طرح آتشِ شوق کو ہوا دیتا ہے ؎

مرے دل میں جو شاں ہے مضمونِ نو

دَتنشدُ والحمائمُ فوق الغصُون!

یعنی میرے دل میں مضمونِ نو یوں موجزن ہے جیسے کبوتر ٹہنیوں پر نغمہ زن ہوں۔ گویا خالد کی شاعری قال نہیں حال ہے۔ آورد نہیں، آمد ہے اس کی شخصیت، فکر و نظر اور ایمان و یقین کا روشن عکس ہے۔

خالد ہیئت، مواد، طرزِ ادا، لغات، تشبیہ و استعارہ میں پامال راہ پر چلنا قبول نہیں کرتا وہ ابلاغ کے لیے نو بہ نو

وادی قطع کرتا ہے۔ تازہ و نورس استعارہ وضع کرتا ہے تاکہ طریق معتبد یعنی پامال راہ کے بجائے جدت و ندرت کی ایک نئی راہ استوار ہو ؎

طریقِ مُعبتد پہ چلتے نہیں
ہم اہلِ جنوں ، اَلجنونُ فنون

سخن کی کریں قطع ہم وادیاں
پئے علم و فن نحنُ مجتہدون

پئے معنی نغز و لفظ بدیع
کرے دل کو خوں، شاعرِ ذوفنون

رہیں اہلِ فن ، فن کے اعجاز سے
ہمیشہ جواں مثلِ اینڈ یمیون[1]

نئے چشمے اسلوب و معنی کے کھود
کہ فطرت سے ہے تو فطین و فطون

خالد کی شاعرانہ تعلّیاں توجہ طلب ہیں کہ ان میں خودستائی سے کہیں زیادہ خود آگہی و خودشناسی کا رنگ پایا جاتا ہے۔ ہر چند واحد متکلم میں مافی الضمیر بیان ہوا ہے لیکن مقصود اعلیٰ شاعری کے عمومی اوصاف و محاسن کی نشان دہی ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

ثبوتِ کرامت کتابیں مری
ہے مقصود و مطلوب کشف الظنون
ریاض المعارف مری شاعری
قلم ہے مرا ناقۂ زینۂ نون
بھیانک جہنّم کا دانتے کہاں
کہاں خالدِ فن ، خالدِ ذوفنون

---

[1] Endymion یونانی اساطیر کا کردار

حواشی میں مصروف غیر اور ہیں
مقاماتِ معنی کے مکنون مخزون

خالد الہامی شاعر اور غیر الہامی شاعر میں تمیز کرتا ہے۔ اس کی نظم میں تمام مکاتب فکر برابر نہیں ہیں۔ فکر و فن کی تبدیلی کا اثر نہ صرف ہیئت پر پڑتا ہے بلکہ شعر کی تعریف بھی یکسر بدل جاتی ہے اور نقد الادب کی کسوٹی بھی بدل جانی چاہیئے خالد کہتا ہے ؎

سب اہلِ دبستاں برابر کہاں
بہ فکر و بیاں منہمُ الملہمون
ہیں میرِ عساکر ہوں افکار کا
ہیں الفاظ میرے جنود و قشون
معانی سے الفاظ لبریز ہیں
ہے ناقہ سخن کا حلُوب و رکُوب
حروف و مضامیں، سبُو در سبُو
سماں کوُٹے مُغ کا درون و برون

خالد اسما و اسفار کا دلدادہ ہے کیونکہ ان میں ہدایت و عبر کی نشانیاں ملتی ہیں۔ ملک ملک کی دیو مالاؤں، ضمیات اساطیر اور لوک ادبوں سے خالد کا شغف اور ان کے کرداروں سے حصولِ عبر کا جو اسلوب اس نے نکالا ہے۔ وہ بھی قرآن حکیم کا فیضان ہے۔ قرآن حکیم میں قصص انبیاء اور حکایاتِ ماسبق تنزیل کا بیان یونہی نہیں آیا ہے۔ ان کے متعلقہ مقاصد میں پیغمبر اسلام کی تسکین، امرِ حق کی وضاحت، موعظت اور حصولِ عبرت شامل ہیں۔ خالد کہتا ہے ؎

رہیں میوز مجھ پر سدا مہرباں
نچھاور کریں مجھ پہ نازو فسوں
ہوں دلدادہ اسمار و اسفار کا
بہ فونِ اغانی، لسان و عیون
پڑھ اسطورۂ جیسن و میڈیا
مُشعبد ہے کیا چرخِ فیروز گون
ہیں عصرِ رواں کا پردے تھٙیس
حریقِ عطش، غرقِ دریائے خون

کہے شاعری تجھ پہ مرتی ہوں میں
پہ طُورتی بھی ہوں اَنگ کتخوُن
وہ لوچن بیالوں سے چھلکائے رس
میں کنچن کٹوروں سے مدرا پیوں

گویا خالد اپنی شاعرانہ یافت کو بالقصد نہیں، بلکہ الہامی قرار دیتا ہے، اور الہامی یوں کہ اس نے انھیں اپنے وجود کی بھٹی میں یوں پکایا ہے کہ اس کی شخصیت سے اس کی شاعری کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ جو کچھ ہے، وہ شعر میں صاف نمایاں ہے۔ فکری سطح پر وہ تخلیقی اقدار کا خود کو نمائندہ کہتا ہے۔ وہ لفظی بازی گری کو پسند نہیں کرتا، بلکہ ان اقدار کو اپنے فکر و شعور اور احساس و جذبہ میں حل کر دیتا ہے جو انسانیت کے لیے باعثِ خیر و برکت ہیں، ہمہ رحمت ہیں، امرِ حق ہیں، خالد جسم و روح دونوں کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے ؎

ہے درکار فن جسم بھی رُوح بھی
میں کس طرح بے اعتدالی کروں؟

خالد نے تقریباً اپنی تمام تصانیف میں بار بار شعر کی ماہیت، منصبِ شاعر اور شاعری کے مقاصد کے بارے میں اسی قسم کی رائے کا اظہار کیا ہے۔ وہ اعلیٰ درجے کی بے انتہا خوش رنگ و مشک بار و خوش ذائقہ شراب اعلیٰ درجے کے مصفّا و منقش پاکیزہ جام میں ڈھال کر پینے کا آرزومند ہوتا ہے۔ گویا وہ ہیئت و مواد دونوں پر یکساں زور دیتا ہے اس کا مطمحِ نظر تاج و تخت نہیں، اکلیل و اورنگ کا اسے شوق نہیں، اس کا قلم مضبوط بید اُٹش کی ایسی اونٹنی ہے جسے سواری کے وقت ٹھوکر کھانے کا ڈر نہ ہو ؎

کرے قطع رہ فکر و فرہنگ کی
جوادِ قلم ہے، اصیل و اَمون
نہیں شوق اکلیل و اورنگ کا
براہِ خدا گرد آلود ہوں
ملے گا تمھیں کون میرے سوا
اَغَیرِی اِمَامًا تَتَوَقَّعُونَ؟

یعنی جس بات کا خوف تھا وہ آخری مصرعہ میں ظاہر ہو کر رہا۔ یہ شاعرانہ تعلی توجّہ طلب ہے: اے لوگو! میرے علاوہ تمھیں کسی اور امام کی توقّع ہے یعنی جس کے تم آرزومند تھے؟ جس کے منتظر تھے، وہ تو آچکا ہے۔ اب کس کی راہ دیکھ رہے ہو؟

خالدؔ کو اپنے بلند منصب کا بھی احساس ہے اور اپنے کلام کی پذیرائی سے بھی وہ بے خبر نہیں ہے۔ لیکن وہ کسی مغالطے

میں مبتلا نہیں۔ خود شناسی کی ایک ادائے خاص ملاحظہ فرمایئے ؎

گزرتا ہوں جب کوئے بازار سے
برابر اِلَیَّ فَہُمْ یَحْدِقُون
ہنرِ غیر جس کی ستائش کرے
کہیں مجھ کو سب رائدِ رائدون

خالد مہماتِ فن کی بکل معرفت رکھتا ہے، کوئی گوشہ اس کی آنکھوں سے اوجھل نہیں وہ کہتا ہے ؎

سمجھتا ہوں آبکار دعُونِ کلام
انا والیِ سِرِّہٖ لَاکُوْن

فنونِ بلاغت کی تفصیل کا
تمھیں کیا پتہ، اَیُّہَا الجَاہِلُون

حسد ابن ابلیس و قابیل ہے
اِلَیَّ لَاَبْصَارُکُمْ تَرفَعُوْن!

بایں ہمہ خوش اخلاقی و بلند نظری — اور انکسار عظیم شعراء کا وطیرہ ہے ؎

رہیں منتہی ہو کے بھی مبتدی
وَہُمْ بَعْدَ عِلْمٍ فَلَا یَجْہَلُوْن

خالد بامقصد شاعری کا دلدادہ ہے۔ وہ فنّی مہارت، صنعت گری، علم عروض، علم قافیہ، صنائع و بدائع اور دیگر محاسنِ شعری سے کم مقصدِ شعری پر زور نہیں دیتا۔ وہ زبان و بیان کو جوہرِ معنی کے ابلاغ کا وسیلہ سمجھتا ہے لیکن کمالِ فن نہیں وہ کہتا ہے یہ کیسے لوگ ہیں جو فقط جودتِ صنعت کو دیکھتے ہیں اور کلام کی سچائی کو نہیں۔

نہ "کب" سے، نہ "کیسے" سے لوگوں کو بحث
اِلیٰ جَودَۃِ صَنعَتِہٖ یَنظُرُون

شعر بھالا مارنے سے نہیں چمکتا۔ خالد کہتا ہے یہ تازہ مضامین کے سراغی کیسے ہیں جو چقماقِ شعر کو رگڑ رہے ہیں۔ یعنی شاعری تو دلِ زندہ سے یوں ابل پڑتی ہے، جیسے چٹان کو توڑتا چشمہ پھوٹتا ہے۔ زورِ طبع شاعری نہیں ؎

سراغی مضامین تازہ کے ہیں
زِنَادُ لقَرِیْضِ فَیَصْطَدِمُوْن

اور یہ "زبردستی" کے شاعر وہ ہیں جن کے یہاں مواد یا مضامین خود اپنی ہیئت پیدا نہیں کرتے بلکہ یہ تشاعر لفظ کو

معانی کے قد پر سیتے ہیں۔ گویا ہئیت پرستی شاعری نہیں۔ اگر کچھ کہنے کی باتیں ہیں تو وہ اپنے جلو میں فرہنگ، اسلوب اور طرز ادا لیے ہوتی ہیں یہ چیزیں خارجی نہیں ہوتیں بلکہ خیال، فکر یا مضمون کے ساتھ ساتھ جڑی ہوتی ہیں ؎

معانی کے قد پر سیں لفظ کو
نہیں گرچہ بیہودہ خطا سے مقصون

اور پھر ان غیر شاعروں کے خصائص شمار کرتے ہوئے خالد کہتا ہے کہ یہ بے ضمیر، بے مقصد، ہیئت پرست اصلاً پڑتل کے ٹٹو ہیں، پرستارِ دینار و قنطار ہیں۔ زمانے کی رفتار سے غافل ہیں۔ انھیں نہ خودی سے علاقہ ہے اور نہ فکر جہاں سے، لیکن اپنے زعم میں وہ ادب کے محافظ ہیں ؎

محافظ اَدب کے بنے ہیں مگر
حُدُودَ الاَدَبِ یَتَجَاوَزُون

یہ لوگ ہنر کو دولت کی بھینٹ چڑھانے میں عار نہیں کرتے، یہ اعلیٰ شے کو ادنیٰ سے بدل دیتے ہیں۔ یہ بھاڑے کے ٹٹو ہیں ؎

ہنر کو چڑھاتے ہو، دولت کی بھینٹ
کَالاَدنیٰ بِالاَعلیٰ اَتَستَبدِلُون

اور خالد کہتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کا چہرہ مسخ ہو چکا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی فطرت کی منطق نہیں سمجھتے اور تبدع، تنطع اور تعمق میں غرق ہیں، اگر وہ دل کی آواز پر کان دھریں تو ہدایت و سعادت کی راہ دور نہیں مگر وہ نہیں سنتے ؎

بدلتا ہے چہرے کو انساں کا دل
لگیں شکل و صورت سے وہ کارٹون

یہ لوگ جن کا ضمیر مردہ ہو چکا ہے، جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہے۔ خود کو دانشور اور مشہور اور مانا ہوا تسلیم کرتے ہیں۔ ان لوگوں میں کتابیں جمع کرنے کا ہپکا ہے لیکن پڑھتے نہیں ؎

لگے ان کو دانش وری کی تپ
یَجمَعُون الکتب وَلَا یقرؤون

اور ان لوگوں میں سے ہر ایک خود کو عارف و دانا اور عقل کل سمجھتا ہے لیکن حقیقت برعکس ہے ان میں اکثر جھوٹے اور تکبر کرنے والے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو شاعری کے اعلیٰ مقاصد سے واقف نہیں اور حدیث خرافہ اور ارفع شعر کے مابین تمیز نہیں کرتے ؎

حدیثِ خرافہ ہیں ان کے لیے
مقامِ کریم و زروع وعیون

ے یجمعون۔

اور بہ طبقۂ شعرا رآیاتِ حق سے رُو گردانی کرتے ہیں۔ عمل کے بجائے امل کو تکیہ گاہ بناتے ہیں۔ حالانکہ شاعر کا حقیقی منصب اعلیٰ وارفع انسانی اقدارِ حیات کے لیے جذب وکشش، جذبہ اور ذوقِ عمل پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا خالد شاعری برائے شاعری کے وارستہ شعرار کو ملعون کرتا ہے ؎

کریں ظالم انکارِ آیاتِ حق
نہ ہوں سر بہ سجدہ وُہم سائلوُن
عمل کی بجائے امل تکیہ گاہ
وَمَا یَشعُرُونَ مَتیٰ یُبعَثُون
وہ جھوٹے نبی ہیں، انکے طبیب
پریشاں نظر مضطرب، بے سکون
سرشک قدح ان کو آبِ حیات
نوید فرح نالۂ ارغنون

گویا خالد کے عندیے میں شاعر اصلاً طبیب ہوتا ہے، وہ اخلاقی اور روحانی نظامِ حیات کو صحت و شفا دیتا ہے۔ مادی و روحانی اور دینی و اُخروی زندگی کو بناتا سنوارتا ہے۔ قلبِ مطمئنہ عطا کرتا ہے۔ شعور و حکمت کا تحفہ دیتا ہے۔ علم وعمل، عدل وانصاف اور فکر و نظر کی دولت سے آشنا کرتا ہے۔ بگڑے ہوئے کاموں کو بناتا ہے۔ ہمہ رحمت و ہدایت ہوتا ہے۔

خالد کا یہ عمومی انداز سخن ہے اور بہ توجہ اس کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو اس کا مقصودِ نظر" شاعری جزویست از پیغمبری" کے تصور سے ہم مقطع نظر آئے گا۔ وہ اعلیٰ اقدارِ حیات کی جانب بلاتا ہے اور ہلاکت کی راہوں کی نشان دہی کرتا ہے۔ لہٰذا وہ حصولِ علم کے ساتھ اس پر عمل کی بھی دعوت شد و مد سے دیتا ہے۔

خالد علم وعمل کی یکجائی پر زور دیتا ہے، وہ حصولِ علم میں خود طامع ہے اور دوسروں کو بھی حریص بناتا ہے وہ کہتا ہے ؎

کرو علم حاصل سیادت سے پہلے
کہ بے علم سے جانِ عالم خفا ہے
ہے جانِ جہاں اُلفتِ علم و عرفاں
یہی اسم اعظم ہے، نامِ خدا ہے
تفکّر دل و عقل کا حجِّ اکبر
یہ لوحِ طلسمِ خلا وملا ہے

ادب سے ہو آباد ویرانہ دل کا
تفکر نہیں جس میں وہ علم کیا ہے
ہوئی پہلے تخلیق عقل و قلم کی
فروغ ان کو نورِ نبی سے ملا ہے
نبیؐ نے اولوالعلم کی روشنائی
کو خونِ شہیداں سے افضل کہا ہے

خالد کا تصورِ علم محدود نہیں، بے انتہا وسیع ہے۔ وہ علوم دینی کے ساتھ ساتھ حقیقتِ اشیاء کی دریافت کی بھی دعوت دیتا ہے کہ تعقل پرستی اور خرد افروزی قرآن حکیم کی تعلیمات کا اہم و اساسی نکتہ ہے۔ تفکر و تعقل کے بغیر نہ تو خدا شناسی ہی ممکن ہے اور نہ خدا کے انعامات سے اس کے بغیر استفادہ کی صورت ہی پیدا ہو سکتی ہے، لہٰذا وہ سائنس اور ٹکنالوجی کو بھی علم سمجھتا ہے اور ان کے حصول کو کفر نہیں بلکہ مسلمانوں کی متاعِ گم شدہ باور کرتا ہے۔ وہ ابن الہیثم اور ابن جبیر بننے کو کہتا ہے ؎

دیارِ جبر میں ابن جبیر بن کے رہو
بہ مصرِ علم و تمدن بنو بن الہیثم

دوسری جگہ سائنسی علوم کی تحصیل پر یوں زور دیتا ہے ؎

ہوا کے دوش پہ نغمے ہیں مرتعش اسمع!
مہ و ستارہ صحیفے ہیں علم کے، اعلم!

خالد کی نظر میں ملتِ اسلامیہ کے زوال کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ اس نے علم و عمل کے دائرے کو محدود کر لیا ہے، یہ کائنات اس کے لیے مسخر کی گئی ہے لیکن اس نے تسخیرِ فطرت نہ کی، سائنس اور ٹیکنالوجی میں وہ پیش پیش تھی لیکن سقوطِ بغداد کے بعد اس نے اس میدان میں کوئی کارِ نمایاں انجام نہ دیا اور بتدریج ذہنی پستی اور خود فریبی میں اس حد تک مبتلا ہوئی کہ حصولِ علم کا اس میں ذوق بھی باقی نہ رہا۔ ملتِ اسلامیہ کی سرفرازی اس وقت تک ممکن ہی نہیں، جب تک وہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لاتی اور اسے بھی "درسِ نظامیہ" میں شامل نہیں کر لیتی۔ خالد نے زوالِ ملت کی تشخیص کرنے میں غلطی نہیں کی ہے، اس لیے وہ دعوت دیتا ہے ؎

علومِ انفس و آفاق کی کرو تحصیل!
کہ جد و جہد ہے درمانِ غم، علاجِ بَرم
بنو محقق و عارف، مجاہد و صابر
لکھو جوابِ سوالاتِ مشکل و مبہم

خالد ایسے علم کے حصول کی نصیحت کرتا ہے جو مفید ہو، اس سے دنیا میں فائدہ پہنچے اور دین بھی سنورے۔ خالد کے نزدیک بے مقصد علم لاینفع جہل ہے ؎

جہل ہے کسبِ علم لَا یَنفَع
یاد رکھ اے جوانِ پُر ارمان[1]

خالد علم کی زمزمہ سنجی ان الفاظ میں کرتا ہے ؎

ہے علم آگہی ، روشنی زندگی
صد افسوس! لَمْ یَعْلَمِ الصَّابِئُون
کبھی ہوں نہ ہم سنگ و ہم مرتبہ
وَ مَنْ یَعْلَمُوْنَ وَ لَا یَعْلَمُوْن

علم عقیدہ اور ایمان ہے ، اصلاً عمل کی اساس ہے لہذا خالد کہتا ہے ؎

عقیدے پہ اُٹھے اساسِ عمل
خدایا فَلَوْ عَلِمَ الْمُسْلِمُوْن!

قرآن حکیم میں جا بجا حصولِ علم کی دعوت دی گئی ہے۔ وحی اوّل بھی "اِقْرَأْ" یعنی "پڑھ" سے شروع ہوتی ہے نہ صرف علم کی بلکہ پنج آب حواس کو بروئے کار لانے کی تلقین کی گئی ہے اور تفکر و تدبر اور بصارت و بصیرت کی دعوت دی گئی ہے۔ اندھی تقلید کی مناہی ہے[2] اور یہ مناہی کسی ایک دائرہ کار میں نہیں بلکہ دین و دنیا اور عبادات و معاملات ہر عمل میں عقل کی روشنی میں فیصلہ کرنے کا حکم آیا ہے ،

"یہاں تک کہ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اگر کوئی علم و عقل کی پکڑ میں نہ آئے تو اس سے انکار نہ کرو جب تک علم و عقل کی روشنی میں انکار برحق نہ ہو جائے۔ ملاحظہ فرمایئے!

۱۔ —— ہم نے انسانوں کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا ، جسے (ایک کے بعد ایک) مختلف حالتوں میں پلٹتے ہیں۔ پھر اسے ایسا بنا دیا کہ سننے والا اور دیکھنے والا وجود ہو گیا۔ ہم نے اس پر راہِ عمل کھول دی۔ اب یہ اس کا کام ہے کہ یا تو شکر کرنے والا ہو یا ناشکرا (یعنی خدا کی دی ہوئی قوتیں ٹھیک ٹھاک کام میں لائے اور فلاح و سعادت کی راہ اختیار کرے یا ان سے کام نہ لے اور گمراہ ہو جائے۔

(۷۶ : ۲)

۲ —— کیا ہم نے اسے ایک چھوڑ دو دو آنکھیں نہیں دی ہیں (جن سے وہ دیکھتا ہے اور زبان اور ہونٹ نہیں دیئے ہیں (جو گویائی کا ذریعہ ہیں) اور کیا اس کو (سعادت و شقاوت

---

[1] کلک موج ص ۱۷۵
[2] قرآن حکیم (۸ : ۲۸) ، (۹ : ۶) ، (۲ : ۱۷۰)

کی) دونوں راہیں نہیں دکھائیں؟ (۹۰-۶)

۳- ——— اور اللہ نے تمہارے لیے سننے اور دیکھنے کے حواس پیدا کر دیئے اور سوچنے کے لیے دل (یعنی عقل) تاکہ تم شکر گزار ہو (یعنی خدا کی دی ہوئی قوتیں ٹھیک طریقے پر کام میں لاؤ۔

۴ ——— اور دیکھو، ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ، جنہوں نے (زبان سے) کہا تھا "ہم نے سنا اور واقعہ یہ تھا کہ وہ سنتے نہ تھے

یقیناً (اللہ کے نزدیک) سب سے بدتر حیوان وہ (انسان) ہیں جو بہرے گونگے ہو گئے، جو کچھ بھی سمجھتے ہی نہیں۔ (۸-۲۲، ۲۱)

۵ ——— نہیں یہ بات نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ جس بات پر یہ اپنے علم سے احاطہ نہ کر سکے، اور جس بات کا نتیجہ ابھی پیش نہیں آیا، اس کے جھٹلانے پر آمادہ ہو گئے۔ ٹھیک اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا، جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ تو دیکھو ظلم کرنے والوں کا کیسا کچھ انجام ہو چکا ہے۔ (۱۰-۳۹)

ان آیاتِ کریمہ کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ عقل و بصیرت کی راہ ہی ہدایت و فلاح کی راہ ہے اور حصول علم کے ذرائع حواسِ خمسہ ہیں، انھیں اپنے وظائف انجام دینا چاہئیں نیز یہ کہ جو کچھ تم مانو اسے عقل کی میزان میں پہلے تول لو، پھر مانو اور اگر کوئی بات عقل کی کسوٹی پر پوری نہ اُترتی ہو تو عجلت سے کام نہ لو، تحمّل کرو اور تفکر و تدبّر کرو۔ یہ ضروری نہیں جو بات تمھاری عقل میں نہ آئے وہ غلط ہو کیونکہ علم کی دو قسمیں ہیں، علمِ شہادت اور علمِ غیب۔ لہٰذا جس علم و خبر کا تعلق علمِ غیب سے ہے، اس میں قرآن حکیم کی صراحت پر اعتماد کرو کہ یہ خدا کا کلام ہے اور وہی غیب کا حال جانتا ہے لیکن اگر تدبّر کرو گے تو عقل اس کی سچائی کی تصدیق کر دے گی۔

حصولِ علم کے بعد عمل کی منزل آتی ہے عمل و جدّ و جہد کی دعوت دیتے ہوئے خالد حدیث جفّ قلم (یعنی قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا، اس کو لکھ کر قلم سوکھ گیا) کو بھی مانع کوشش نہیں سمجھتا۔ اس کے عندیئے میں جدّ و جہد سے تقدیریں[1] بدل جاتی ہیں ؎

سمندِ عزم کو مہمیز کر کے دیکھو تو
نہیں ہے مانعِ کوشش حدیثِ جفّ قلم

تدبّرِ قرآن حکیم نے خالد کو علامہ اقبال ہی کی طرح اس نتیجے پر پہنچایا ہے کہ اصل میزانِ ایمان عمل ہے، لہٰذا وہ عمل پر ان الفاظ میں زور ڈالتا ہے ؎

---

[1] نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں (علامہ اقبال)

عمل سے ہم کو غرض ہے حسب نسب سے نہیں
ابُو لہب سے ہے اکرم نجاشیِ اصحم

عمل ہی سے حاصل ہو جو کچھ بھی ہو
میں عامل ہوں فَلیعمل العَامِلوُن

علم و عمل کی تعریف کے بعد وہ علم و عمل کی یک جہتی پر زور دیتا ہے اور قرآن حکیم کی اس نہایت روشن و واضح تعلیم کی بڑی شد و مد کے ساتھ تبلیغ کرتا ہے ؎

عمل ہے ، علم کا مقصود قیل و قال نہیں
وسیلۂ زر و منصب نہیں کتاب و قلم
ڈھلے نہ گر عمل و معرفت میں علم کتاب
ہیں ایک حامل اسفار و حاملانِ حُرُم مِلہ

خالد عمل و حرکت کا شیدائی ہے ۔ وہ افکار و عقائد ، ایمان و یقین اور علم و خبر کو زندگی کے ہر شعبے میں جاری و ساری دیکھنے کا آرزومند ہے ۔ علاّمہ اقبال کے نظامِ فکر میں بھی حرکت و عمل کو بڑا دخل ہے ۔ ان کے یہاں حرکت برائے حرکت بھی ہے اور حرکت برائے تکمیل خودی بھی۔ علاّمہ اقبال کے برعکس خالد کے یہاں عمل جہد و جہد ، حرکت و تحریک کا ایک رُخ متعین ہے ۔ اس کے یہاں ہر عمل اور ہر اُٹھتے ہوئے قدم پر آتی جاتی سانس کا مقصود رضائے الٰہی ہے لہذا وہ عمل صالح کی تعلیم دیتا ہے اور عمل صالح قرآن کی اصطلاح میں اعمال کا " عدل و قسط " پر مبنی ہونے کے سوا کچھ نہیں ، خالد حرکت برائے حرکت کا قائل نہیں ۔ نہ اس کے دائرہ فکر میں علم تخمین و ظن و دیا " سراپا غیاب " ہے وہ حسنِ خیال و عمل کو ایمان سمجھتا ہے ۔

ہے ایمان حُسنِ خیال و عمل ؎
فَمِن یُومِنُونَ فَہُم یَتّقُوُن

کریں نیکیوں کے لیے دوڑ دھوپ
بہ قول و عمل ھُمْ لَہا سَابِقوُن

خالد قول و فعل کی یکجائی و یکجہتی کو بھی اعلیٰ اوصاف میں شمار کرتا ہے ، خالد کہتا ہے ؎

جو کہتے ہیں ، کرتے ہیں اس پر عمل
ہیں مُقسِط وَ بالقِسطِ ہم یَاُمُرُون

لہ ایندھن

خالد نے علم و عمل کی وحدت اور ان دونوں کے شرف کا ذکر جگہ جگہ بار بار کیا ہے۔ وہ تمنائی ہے کہ کتاب اللہ کا سچا علم اور سچا عمل لوگوں میں پیدا ہو جائے اور وہ خوش اعتقادی اور خوش فہمی کی دلدل اور تیرگی سے نکل کر فہم و بصیرت کی راہ پر گامزن ہوں۔ وہ عزم و ثبات کا ولولہ پیدا کرتا ہے۔

خالد کے عندیئے میں اعمالِ حسنہ ہی دنیاوی سرفرازی اور دنیوی فضیلت کے ذریعہ ہیں۔ قرآن حکیم نے ایک سے زیادہ مقامات پر اس بیّن حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ علم و ایمان کی راہ عقل و بصیرت کی راہ ہے اور کفر کا خاصہ کورانہ تقلید اور بے بصیرتی ہے۔ دینِ الٰہی عمل کا قانون ہے بدی کا بدلہ بدی ہے، نیکی کا بدلہ نیکی ہے۔ جو بُو ڈ کے وہ کاٹو گے، حسب نسب نجات و سعادت کے لیے سود مند نہیں قرآنِ حکیم کی آیات ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ ——— یہ ایک اُمت تھی جو گزر چکی۔ اس کے لیے وہ تھا جو اس نے اپنے عمل سے کمایا اور تمہارے لیے وہ ہے جو اپنے عمل سے کماؤ۔ تم سے اس کی باز پرس نہیں ہو گی کہ ان کے عمل کیسے ہیں۔ (۲ : ۱۳۴)

۲۔ ——— آؤ پھر انہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو اَن پڑھ ہیں اور جہاں تک کتابِ الٰہی کا تعلق ہے (خوش اعتقادی کی) آرزوؤں اور ولولوں کے سوا اور کچھ نہیں جانتے اور محض وہم و گمان میں مگن رہتے ہیں۔

۳۔ ——— اور دیکھو، اس آنے والے دن کو (نہ بھولو) جس دن ہر انسان دیکھے گا کہ جو کچھ اس نے (دنیا میں) نیک عمل کیا تھا، اس کے سامنے موجود ہے (یعنی اس کا اجر اسے مل رہا ہے) اور جو کچھ بُرائی کی تھی، وہ بھی اس کے سامنے ہے۔ (۳ : ۳۰)

۴۔ ——— اور ہم نے ہر انسان کی شامت خود اس کے گردن سے باندھ دی ہے (کہیں باہر سے اس پر آکر نہیں گرتی) قیامت کے دن ہم اس کے لیے (نامۂ اعمال کی) ایک کتاب نکال کر پیش کر دیں گے۔ وہ اُسے اپنے سامنے کھلا دیکھ لے گا۔

(ہم کہیں گے) اپنا اعمال نامہ پڑھ لے۔ آج کے دن خود تیرا وجود ہی تیرے احتساب کے لیے بس کرتا ہے۔ (۱۷ : ۱۳، ۱۴)

۵۔ ——— کچھ عجب نہیں کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم فرمائے (اگر اب بھی باز آجاؤ) لیکن اگر تم پھر سرکشی و فساد کی طرف لوٹے تو (اللہ فرماتا ہے) ہماری طرف سے بھی پاداشِ عمل لوٹ آئے گی اور (یاد رکھو) ہم نے منکرینِ حق کے لیے جہنم کا قید خانہ تیار کر رکھا ہے۔

(۱۷ : ۸)

۶۔ ——— جو کوئی دنیا کی زندگی اور (صرف) اس کی دلفریبیاں ہی چاہتا ہے تو (ہمارا ٹھہرایا ہوا قانون یہ ہے کہ) اس کی کوشش و عمل کے نتائج یہاں پورے پورے دے دیتے

ہیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ دنیا میں اس کے ساتھ کمی کی جائے۔

لیکن (یاد رکھو) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت (کی زندگی) میں (دوزخ کی) آگ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ جو کچھ انہوں نے بنایا ہے سب اکارت جائے گا اور جو کچھ کرتے رہے ہیں سب نابود ہونے والا ہے۔ (۱۱: ۱۶، ۱۵)

انسان کے آگے اور پیچھے ایک کے بعد ایک آنے والی (قوتیں) ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتی ہیں، اللہ کبھی اس حالت کو نہیں بدلتا جو کسی گروہ کو حاصل ہوتی ہے۔ جب تک کہ وہ خود ہی اپنی صلاحیت نہ بدل ڈالے اور (پھر) جب اللہ چاہتا ہے، کسی گروہ کو (اس کے تغیر صلاحیت کی پاداش میں) مصیبت پہنچے تو (مصیبت پہنچ کر رہتی ہے۔ وہ) کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اس کا کارساز ہو۔ (۱۳: ۱۱)

ان آیات مبین میں قانونِ عمل اور جزا و عمل کی مکمل صراحت کر دی گئی۔ عمل کا دائرہ کار وسیع ہے۔ اور قانون عمل کا انطباق ہر شعبۂ حیات میں یکساں ہے۔ نتائج عمل ہر حال میں یکساں ہوتے ہیں۔ بد اعمالی کا نتیجہ بد اور نیک اعمالی کا نتیجہ نیک ہوتا ہے۔ اسی قانون قدرت میں تبدیلی نہیں ہوتی اور انفرادی اور اجتماعی ہر دو سطحوں پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ پھر جزائے عمل کسی گروہ، قوم یا جماعت سے مختص نہیں بلکہ جو قانونِ عمل پر عمل پیرا ہوگا وہ اپنے اچھے عمل کے نتائج سے بہرہ مند ہوگا اور اپنے برے عمل کی پاداش پائے گا۔ عمل کا دائرہ کار دینی عقاید اور عبادات تک محدود نہیں بلکہ اس کا اطلاق دنیاوی کاروبار، معاملات، اخلاق، سیاست گویا ہر شعبۂ حیات پر ہوتا ہے۔ جو صرف دنیا کا طالب ہوگا اور اس کے حصول کے لیے قانونِ عمل پر عمل پیرا ہوگا اُسے دنیا کی نعمتیں اور آسائشیں ملیں گی، جو دین و دنیا دونوں چاہے گا اُسے دونوں کی سعادت نصیب ہوگی۔ یہاں ایک اور نکتہ بھی واضح کر دیا گیا کہ انسان اپنے اعمال کا جواب دہ ہے اور عمل کی راہ کھلی ہوئی ہے، ہر ایک کو اس کی محنت کا پھل ملتا ہے۔ خالد کہتا ہے ؎

ہر اک کو ملے اس کی محنت کا پھل
ضعیف و قوی جُہدَ ھُمْ یَجْہدُون

بدعملی کا مزا چکھنا پڑتا ہے۔ اس سے مفر نہیں۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی ؎

چکھو اپنے اعمال کا اب مزہ
یہی ہے وہ کُنْتُمْ بِہٖ تَمْتَرُوْن
یہ دن ہے تمہاری فضیحت کا دن
کھڑے ہو الگ اَیُّھَا المُجْرِمُون!

اب اعوان و آبا کو آواز دو
مِن اِخوَانِکُم اَینَ مَن تعرِفُونَ ؟

اے اہل الکبائر ! اے اہل الدمار
مِنَ المجرِمِینَ لَمُنتَقِمُونَ !

اور اعمال بد کیا ہیں ؟ غیبت کرنا۔ خالد کہتا ہے ؎

ہے دل کا زباں غیبتِ دیگراں
عمل ان کے کیسے ہیں لَاتشکلون

فخر و ریا اور عداوت کا راستہ ہلاکت کی طرف کھلتا ہے، یہ عمل بد ہیں اور ان سے احتراز کرنا چاہیئے۔ خالد کہتا ہے ؎

عمل ان کا فخر و ریا و نزار
نہیں خود پہ قابو فَھُم مُفتُونَ

حیا مومن کی پہچان ہے، جس کے دیدے کا پانی گر گیا وہ بے حیائی کی منزل میں آگیا۔ وہ گدھے کی طرح قلبہ رانی اور چوپاؤں کی طرح جماع کرنے میں عار محسوس نہیں کرتا۔ خالد جملہ اقسام کی بے حیائی کو بدعملی قرار دیتا ہے۔

کریں قلبہ رانی بسانِ حمار
حیا سے ہیں عاری بِہَا رَاجِعُونَ

ماسوا کی اطاعت بھی بدعملی ہے۔ خالد کہتا ہے کہ حیرت ہے کہ لوگ ماسوا کی اطاعت کرتے ہیں اور خدا کی اطاعت سے انکار ؎

کریں ماسوا کی اطاعت مگر
وَمَن طَاعَۃِ اللّٰہِ ھُم یانِفُونَ

دروغ و دغا کرنے والے بھی بد اعمال ہیں۔ خالد کہتا ہے حیرت ہے ان لوگوں پر جو دروغ و دغا کو حکمت و مصلحت سمجھتے ہیں اور اللہ کی رحمت سے انکار کرتے ہیں ؎

دروغ و دغا، حکمت و مصلحت
فَبِنِعمَۃِ اللّٰہِ ھُم یَجحَدُونَ

بد اعمالی میں قول و فعل کی دوئی بھی شامل ہے، خالد کہتا ہے ؎

زباں سے جو کہتے ہیں دل میں نہیں
ہے چہرے پہ مرقوم مَا یَکتُمُونَ

خالد نے "مزمورِ مغنی" میں جملہ اعمالِ حسنہ اور تمام اعمالِ خبیثہ کی نشان دہی کر دی ہے اور قانونِ عمل اور جزائے عمل سے لوگوں کو بصراحت خبردار کیا ہے۔ ہر شخص ہر گروہ، ہر جماعت اپنے کیے کی سزا پائے گی۔

وہ اپنے کیے کی سزا پائیں گے
محقق ہے لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْن

اور اپنے نیک عمل کا انعام پائے گی۔ خالد خداپرستی میں ثابت قدم رہنے، عقل و بصیرت سے کام لینے، حقائقِ ہستی کی معرفت حاصل کرنے اور علم و عمل کی یکجائی کی تبلیغ کرتا ہے، اور ہر معاملے میں وہ حدودِ الٰہی میں رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

خالد علم و عمل کے بعد انفرادی اور اجتماعی اخلاق و کردار کی تعمیر کے لیے "عدل" پر بے انتہا زور ڈالتا ہے، اس کے عندیے میں اسلامی تمدن کی اساس عدل پر قائم ہے۔

خالد سے بارہا گفتگو ہوئی اور اس نے جملہ معاشرتی برائیوں کی بدیہی وجہ عدمِ عدل کو قرار دیا۔ عدل کی حقیقی رُوح یہ ہے کہ قانون سب کے لیے یکساں ہو اور قانون کی نظر میں سب یکساں ہوں، یعنی "رُول آف لا" اللہ کا قانون سب کے لیے یکساں ہے، جو اسے تسلیم کرتا ہے وہ خود سے عدل کرتا ہے اور شقاوت و گمراہی کی راہ چھوڑ کر سعادت و رحمت کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔

قرآنِ حکیم کی اصطلاح میں عدل کا مفہوم نہایت واضح ہے، یعنی اللہ کے مقرّرہ حدود سے تجاوز نہ کرنا۔ حقیقتِ عدل کی ایک جہت قطعاً انفرادی، اخلاقی اور تعمیرِ سیرت کے وصف کی حیثیت رکھتی ہے۔ انسان کو خود سے بھی عدل کرنا چاہیئے۔ دوسری جہت معاشرتی، تمدّنی اور نظامِ عدلیہ سے متعلّق ہے۔ گویا قرآنِ حکیم انفرادی سطح پر بھی قیامِ عدل کا حکم دیتا ہے اور جماعتی سطح پر بھی۔ تیسری جہت عقائد اور ایمان و یقین کی ہے۔

قرآنِ حکیم میں "عدل، قسط، میزان، حَد" انصاف کے معنوں میں آیا ہے اور اس کا ضد "ظلم، طغیانی، اسراف، تبذیر، فساد، اعتداء، عُدوان، وغیرہ آیا ہے جن کے معنی حد سے تجاوز کرنا ہے۔ گویا اللہ کے قائم کیے ہوئے حدود میں سرگرمِ خرام ہوتا ہے حقیقتِ عدل کے عین مطابق ہے اور اس سے باہر پاؤں نکالنا حقیقتِ عدل سے انحراف ہے۔ انسانی اعمال بدعملی اور بُرائی کی صورت اس وقت اختیار کرتے ہیں جب وہ عدل و توازن سے عاری ہو جاتے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں آیا ہے:

۱۔ قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ (۷ : ۲۹) تو کہہ میرے پروردگار نے جو کچھ حکم دیا ہے وہ تو یہ ہے کہ (ہر بات میں) اعتدال (قسط) کی راہ اختیار کرو۔

۲۔۔۔ وَلَا تُسْرِفُوا ج اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ (۷: ۳۱) مگر حد سے نہ گزر جاؤ۔ خدا انھیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والے ہیں۔

۳۔۔۔ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (۱۶: ۹۰)

اللہ حکم دیتا ہے کہ (ہر معاملے میں) انصاف کرو (سب کے ساتھ) بھلائی کرو۔

۴۔۔۔ (مسلمانو!) خدا تمھیں حکم دیتا ہے کہ جو جس کی امانت ہو، وہ اس کے حوالے کر دیا کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، تو چاہیے کہ انصاف (عدل) کے ساتھ کرو۔ کیا ہی اچھی بات ہے، جس کی خدا تمھیں نصیحت کرتا ہے۔ بلاشبہ وہ سب کچھ جاننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ (۴: ۵۸)

۵۔۔۔ (مسلمانو!) ایسے ہو جاؤ کہ (خدا کی سچائی کے لیے) مضبوطی سے قائم رہنے والے اور انصاف (قسط) کے لیے گواہی دینے والے ہو اور (دیکھو) ایسا کبھی نہ ہو کہ کسی گروہ کی دشمنی تمھیں اس بات کے لیے ابھار دے کہ (اس کے ساتھ) انصاف نہ کرو (لَا تَعْدِلُوْا) ہر حال میں انصاف (اعدلوا) کرو کہ یہی تقویٰ سے لگتی ہوئی بات ہے اور اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو، وہ اس کی خبر رکھنے والا ہے (۵: ۸)

۶۔۔۔ وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ ٍۨ الْحَقُّ ج اور اس دن (یعنی قیامت کے دن) (اعمال کا) وزن برحق ہے۔ (۷: ۸)

۷۔۔۔ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ ۙ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ ۝ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ۝ اور اسی نے آسمان کو اونچا کیا اور اسی نے (دنیا میں) ترازو رکھ دی۔ تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو۔ اور انصاف (اور حق رسانی) کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کر مت گھٹاؤ۔ (۵۵: ۹،۸،۷)

ان آیاتِ کریمہ میں عدل کے جملہ غوامض اور حکمتیں اور جہتیں واضح، روشن اور معیّنہ طور پر بیان کر دی گئی ہیں عدل کے لیے میزان (ترازو) کی علامت کس قدر سہل الفہم ہے۔ قرآنی کے احکامات کسی ایک طبقہ، جماعت یا قوم کے نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کے ہیں، لہٰذا اس کی دعوت کا اسلوب اس قدر سادہ اور واضح ہے کہ ہر شخص کے فہم میں سما جائے دل میں اُتر جائے۔

اسلام کے تصورِ عدل کی مابہ الامتیاز خصوصیت یہ ہے کہ یہ جماعتی اور گروہی نہیں بلکہ سب کے لیے ہے۔ ایک مسلمان کا معاملہ مسلمان سے ہو یا کسی غیر مسلم سے، عدل کا تقاضا یہی ہے کہ جس کا جو حق ہے اُسے دے دیا جائے۔

خالد کی نظر میں محاسنِ اعمال کی اصل عدل ہے وہ ایک رباعی میں کہتا ہے ؎

اسلام ـــــ مساوات و محبّت کا پیام
آزادی و عدل سے اٹھا جس کا قوام
انصاف کا عہد نامہ، سچ کا منشور
دنیا میں خدا کی بادشاہت کا نظام

ایک اور مقام پر تعلیماتِ قرآنی کے اوصاف میں عدل، پاسداریٔ عہد اور حق گوئی کو شمار کرتا ہے ؎

ہے دینِ مبین صدق و عدل و یقین
بہ طاعاتِ حق یُنْصَرُ المُسلِمُون
مواثیق عہد و موازینِ عدل
ہیں سِلمٌ و سلام ایُّہا المسلمو ن

خالد کہتا ہے ان ظالموں (نامنصفوں) پر خدا کی لعنت ہو، جو اللہ کی قائم کی ہوئی حدود کو توڑتے ہیں۔ اصلاً وہی منصفی نہیں کرتے ؎

اَلَا لَعْنَۃُ اللہ عَلَی الظّالمین
جو توڑیں حدوں کو ہُمُ الظّالِمُون

اور جو میثاق محکم کے بعد پھر جانے والے ہیں، وہی مشرک ہیں، وہی مسرف ہیں یعنی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

جو پھر جائیں میثاق محکم کے بعد
ہُمُ المشرکونَ ہُمُ المسرِفُون

خالد ایک شعر میں مقسط یعنی عادل و منصف اور قاسط یعنی بے انصاف، ظالم کا ذکر کرتا ہے، وہ کہتا ہے اوّل الذکر کا وطن بہشتِ بریں ہے اور مؤخر الذکر جہنّم کے ایندھن ؎

وطن مُقسِطُون کا بہشت بریں
جہنّم کا ہیزم ہیں اَلقٰسِطُون

حسن تناسب سے محرومی بھی عدل کے منافی ہے۔ ایسے لوگ یقیناً خطا کار اور نقصان میں ہیں، جو اعتدال و توازن سے گزر جاتے ہیں ؎

جو حسن تناسب سے محروم ہیں
ہُمُ الخاطِئُون ہُمُ الخَاسِرون

خالد کہتا ہے کہ خدا کے نیک بندے کبھی عدل سے روگردانی نہیں کرتے، وہ حق قائم کرتے ہیں اور ہر حال میں عدل کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو عادل و منصف کہلانے کے مستحق ہیں ؎

نہ بچایں کجی عصمت و عدل کو
وَیَہۡدُوۡنَ بِالۡحَقِّ ، بِہٖ یَعۡدِلُوۡن

خالد کی نظر میں بنائے عدل یہ ہے کہ " مَنۡ لَا یَرۡحَمُ فَلَا یُرۡحَمُ " یعنی جو رحم نہیں کرتا ، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ دنیا کے معاملات کی بنا مکافاتِ عمل پر رکھی گئی ہے " ایک ہاتھ دو ایک ہاتھ لو " کا اصول کارفرما ہے ٥

وَمَا اَصَابَکَ مِنۡ سَیِّئَۃٍ فَمِنۡ نَّفۡسِکَ[1]
بنائے عدل ہے لا یَرۡحَمُ فَلَا یُرۡحَمُ

مقرّر ہے مقدار ہر چیز کی
وَھُمۡ یُرۡحَمُوۡنَ کَمَا یَرۡحَمُوۡن

خالد کے یہ اشعار عدل کے بارے میں قرآن حکیم کی صراحت کے عین مطابق ہیں۔ معاشرتی نظام ہو یا تمدّنی زندگی ، کائنات و فطرت کے تقاضے ہوں یا روحانی و دینی شعائر سب کے حدود مقرّر ہیں۔ ہر شخص ان حدود میں سرگرم عمل ، آزاد اور خود مختار ہے۔ ان سے تجاوز عدل کے منافی ہے گویا عدل کا دائرہ کار انفرادی و اجتماعی اعمال معاملات ، عبادات اور سزا و جزا تک پھیلا ہوا ہے۔ عالم شہادت کی ہر چیز حسن اعتدال پر قائم ہے ، کائنات کی بناوٹ میں بھی حسنِ اعتدال کار فرما نظر آتا ہے اور غور کرنے والوں کے لیے بڑی بصیرتیں ہیں۔ نظام شمسی اگر اپنے حدود سے ذرا بھی تجاوز کریں تو آن واحد میں ایسی بے اعتدالی پیدا ہو جائے گی کہ یہ کائنات شاید روئی کے گالے کی طرح اڑ جائے۔ اور نہ صرف عالم کون و فساد میں بلکہ اسی طرح ایک تہذیب ، ایک ملّت ، ایک قوم یا بنی نوع انسان میں جو بگاڑ پیدا ہوتا ہے ، وہ عدم عدل کا نتیجہ ہوا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ خالد نا انصافی ، ظلم ، طغیان ، اسراف ، تبذیر ، فساد ، اعتداء ، عدوان کی تنذیر کرتا ہے اور عدل و انصاف ، قسط کی تذکیر اور عدل و انصاف پر قائم افراد و ملّت کو سرفرازی کی بشارت دیتا ہے ٥

حدوں سے تجاوز جو کرتے نہیں
اَلَا ھُمۡ مِنَ السَّاعَۃِ مُشۡفِقُوۡن

خالد کہتا ہے وہ لوگ جو رضاجو ہیں اور بحالتِ غضب بھی عدل پر قائم رہتے ہیں ، اللہ کی رحمت سے نومید نہیں ہوتے۔ ایسے ہی عادل اور رضا طلب لوگوں کے لیے دنیاوی و دینوی سعادت ہے ٥

---

[1] (اصل حقیقت تو یہ ہے کہ) جو کچھ بھلائی تمھیں پیش آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو کچھ نقصان اٹھاتے ہو وہ خود تمھاری طرف سے ہوتا ہے (یعنی خود تمھاری بد عملیوں کا نتیجہ ہوتا ہے) ۴ : ۷۹

رضا و غضب میں رہیں معتدل
وَمِن رَحمَۃِ اللّٰہِ لَا یَیئَاسُون

عدل تمام اوصافِ اخلاقی کی اصل ہے۔ قرآن حکیم میں آیا ہے: اِنَّ اللّٰہَ یَأمُرُ بِالعَدلِ[1] (یعنی مسلمانو! اللہ حکم دیتا ہے کہ (ہر معاملہ میں) انصاف کرو)۔ خالد اسی امرِ حق کی تبلیغ کرتا ہے۔ خالد ملّتِ ابراہیمیہ کے ہر فرد کی سیرت میں حق و صداقت کی روح کو جاری و ساری دیکھنے کا آرزو مند ہے۔ وہ انھیں "قَوَّامُونَ لِلّٰہِ" اور "شُہَدَاءَ بِالقِسط" کے مرتبے پر فائز دیکھنے کا متمنّی ہے۔ خالد کے عندیے میں وہی لوگ انصاف پرور ہیں "جو تجھ پر نازل ہوا ہے" اے احمد! اسے مانتے ہیں"۔

ہیں انصاف پرور بِمَا اُنزِلَ
اِلَیکَ (اے احمدؐ) فَہُم یُؤمِنُون

اور ایسے لوگوں کے لیے رحمت کی بشارت ہے، وہ انعام و اکرام کے مستحق ہیں، دشمن انھیں ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن سے یہ پیاسی زمین چشمہ بن جائے گی۔ لیکن وہ لوگ جن کی طمع اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ انصاف کا خون کرتی ہے، ان حدود سے گزر جانے والوں کے لیے حسرت کے سوا کیا ہے۔

طمع نے کیا خون انصاف کا
فیاحسرتا! کَذَبَ الکَاذِبُون
بڑھیں کیوں نہ اموال عمّال کے
وَبِالطَّیشِ ظُلمًا فَہُم یَحکُمُون
یہ اندھیر! یہ غدر! یہ انتشار
کہ حارس ہی اَغلَاقَنَا یَکسِرُون
شرارت سے ذہن ان کے ہیں باروار
ہیں بدکار بِالحَقِّ لَا یَعدِلُون

پھر خالد نازک مزاج شہاں اور حاکمانِ وقت کی تنذیر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ عوام کو اپنا غلام سمجھتے ہیں اور تعذیب و تشدد کرتے ہیں، ہر چند وہ خود حوادث کے نخچیر اور صیدِ اجل ہیں لیکن انھیں یہ گمان ہے کہ قادر ہیں۔

غلام اُن کے سارے عوام اور یہ
بہ حکم خدا فَوقَہُم قَاہِرُون
حوادث کے نخچیر، صیدِ اجل
یَظُنُّونَ ہُم اَنَّہُم قَادِرُون

---

[1] النحل (۱۶: ۹۰)

یہ ناخلف اوثان یعنی پتھر کے بتوں کو پوجنے والے خلافت کے اہل ہیں ؟ خالد کا اسلوب اور طنز پُر لطف ہے ۔

خلافت کے اہل اور یہ ناخلف
ہیں انساں فَالاوثانَ ہُم یعبدون

خالد اہلِ سیاست و حکومت کی بوالعجبی اور دریدہ دہنی پر متعجب ہوتا ہے۔ وہ کتنی دل لگتی بات کہتا ہے اور کس مزے سے کہتا ہے۔ ایجاز بلاغت پر نظر کیجئے ۔

کریں حد شرابی پہ جاری وہ لوگ
کھلے بندوں اَلخَمر مَنْ یَشربُون

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ برملا جو شراب پیتے ہیں وہ شرابی پر حد جاری کریں اور یہ بھی کتنی عجیب بات ہے کہ جو دھوکے سے لوگوں کا مال اُڑا لیتے ہوں وہی سرِعام چوروں کا ہاتھ قلم کریں ۔

اڑائیں جو دھوکے سے لوگوں کا مال
سرِعام اَلسّارِقَ یَقطعُون

اور کیا یہ بھی اچنبھے کی بات نہیں کہ جو بے دریغ لوگوں کو قتل کریں، وہی قاتل کو قتل کرتے ہیں ۔

کریں قتل لوگوں کو جو بے دریغ
وہ سفّاک اَلقاتِلَ یَقتُلُون

خالد کہتا ہے یہ اہلِ دُوَل اہلِ ایمان سے کینہ رکھتے ہیں۔ رُکھائی سے پیش آتے ہیں انھیں پاکیزہ طبع راست باز اور صادق القول، حدودِ خدا کو پہچاننے والا انسان اچھا نہیں لگتا ہے ۔

دکھائی کی لیتے ہیں اہلِ دُوَل
بہ ہر مومن اَلحِقدَ یضطغنون

اہلِ حکومت اور اہلِ دُوَل کا یہ حال ہو تو فساد کا ظاہر ہونا یقینی ہوتا ہے کہ قاطع فساد' قیام عدل ہے اور یہ لوگ عدل و انصاف سے منہ موڑ چکے ہیں اپنے فرائض سے غافل ہو چکے ہیں اور لوگوں کی حق رسی نہیں کرتے ۔

نہیں ہے کوئی ان کا پرسانِ حال
مساکین در بحر و بر یَعمَلُون
کہے شہہ : فَلَاکَیلَ عِندِی لکُم
نہیں ذمّہ میرا فَلَا تقربون
ہو کیوں بحر و بر میں نہ ظاہر فساد
ہیں ہم قافلہ جنگ و جوع و جنون

خالد یونہی تنذیر کرتا چلا جاتا ہے وہ ان تمام سیاسی اور معاشرتی بے عنوانیوں اور برائیوں کا ذکر کرتا ہے جو

ایک متوازن، انصاف پرور اور فلاحی ریاست کی تشکیل میں آڑے آتی ہیں۔ وہ قول و فعل کے تضاد اور علم و عمل کے فرق پر بے انتہا جز بز ہوتا ہے۔ خالد بے عمل سیاستدانوں، حاکمانِ وقت، بادشاہوں کو پرلے درجے کا خود غرض، مفسد اور اللہ کی قائم کردہ حد سے گزر جانے والا سمجھتا ہے۔ ان سے نیکی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ان سے سعادت کی کیا توقع ہو سکتی ہے جو خود ہی شقاوت و ضلالت میں دھنسے ہوں، بدعمل و بدکار، مفسد و ظالم اور ڈنڈی مارے یہ توقع کہ وہ نظامِ مصطفےٰ لائے گا، کس قدر فضول ہے اور خود اس کا یہ دعویٰ منافقت کے سوا کچھ نہیں۔ ان کی حالت تو یہ ہے ؎

جہالت چھپر کٹ پہ سرمستِ ناز
اور اوراک و افکار رہنِ سُجُون

گو یا تمام اخلاقی بگاڑ اور منکرات عدم عدل سے سر اُٹھاتے ہیں۔ عدل توازن و جمال کا نام ہے اور اس نقطۂ نور سے اعلیٰ انسانی صفات کی کرنیں بکھرتی ہیں اور سیاہ گوشوں کو اجالتی ہیں، انسانیت عظمیٰ کو فلاح و صلاح کی بشارت دیتی ہیں۔

بنی نوع انسان کی درماندگی اور پریشاں نظری کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ وہ حصولِ علم میں کوتاہی، علم و عمل کی ماہیت و ربط باہمی سے اعراض و اغماض اور عدل سے روگردانی کرتا ہے حالانکہ انہیں پر ابن آدم کی انسانیت کا دار و مدار ہے۔

انسان کے اعمال اگر حدودِ خدا میں پابند ہوں تو خیر ہیں، ہمہ برکت ہیں اور حدودِ الٰہی سے تجاوز کریں تو شر، فساد، طغیان، ظلم اور یہ طرح طرح سے ہدایت کی راہ میں سراب آسا نمودار ہوا کرتی ہیں ان میں بڑی دلکشی اور رعنائی ہوتی ہے، جو ان کی عشوہ طرازیوں میں مبتلا ہوا، مارا گیا۔ سعادت کی راہ سے بھٹک گیا۔ شقاوت کی راہ پر چل پڑا لیکن علم و عمل، تفکر و تدبر اور فہم و فراست سے ان کی فتنہ پرواز دلآرائیوں اور ہلاکت خیز سحر کاریوں میں گرفتار نہ ہوا، دامِ بلا سے چھوٹا۔ امر ہو گیا۔ بے پناہ ہو گیا۔ منزل پائی۔ مراد کو پہنچا۔

حدودِ خدا کی پابندی کرنا سعادت ہے اور انہیں توڑنا شقاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ذرہ ذرہ کی تخلیق حسنِ اعتدال کے قوام سے کی ہے، جن و انس، فرشتے، چرندے، پرندے، درندے، نباتات، جمادات، فضا، خلا، چاند، ستارے، سورج اور نظامِ شمسی گویا عالمِ شہادت کی ہر چیز اپنی بناوٹ کے لحاظ سے بے مثال اور تکمیلِ اعتدال کی مظہر ہے۔ اور پھر ان کے فرائض و وظائف اور حدود کار مقرر کر دیئے ہیں۔ ان کی پابندی کرنے والوں کے لیے سعادت کی نوید دی گئی اور اس سے تجاوز کرنے والوں کو ہلاکت کی وعید۔

خالد اپنے کلام میں سعادت (یعنی مثبت اور کار آمد اقدار و اوصاف) اور شقاوت (یعنی منفی، بانجھ اور بے وقر

حرکات، دونوں راہوں کا ذکر کرتا ہے۔ اس نے جا بجا ایفائے عہد، صلہ رحمی، احسان، آزادی فکر، حق پرستی ایسے مثبت اقدار کی تبلیغ کی ہے اور نسل پرستی، ذات پات، شاہ پرستی، غیبت، تکبر، جنسی بے راہ روی، شراب نوشی، قمار بازی، ریا کاری، منافقت، جملہ اقسام کی عصبیت، خون ریزی، انتقام جوئی میں حد سے تجاوز ایسی بد اعمالی کے عبرتناک انجام سے متنبہ کیا ہے۔ خالد نسلی برتری کو روح مذہب کے منافی سمجھتا ہے، وہ کہتا ہے کہ پیدائشی طور پر سب یکساں ہیں نہ کوئی اَدہم یعنی چھوٹا ہے اور نہ اُتم یعنی بڑا۔ ذوالاحترام محض مرد متقی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

ہے روحِ مذہب اسلام تقویٰ و احساں
متاعِ فاسد و کاسد فضیلتِ اَب و عم
نہیں ہے فرق بنین و بناتِ آدم میں
کوئی ادہم ہے نہ پیدائشی کوئی اُتم
ہے قدر و منزلت انساں کی عزم و ہمت سے
نسب سے فائدہ اُپجے نہ کام آئے جنم
جو داعیٔ عصبیت ہے ہم سے خارج ہے
عدوئے دین خدا ہے شعوبی و سُلَم
نگاہِ بندہ مومن میں ایک عامی بھی
ذوالاحترام ہے مانند جبلۂ ایہم

خالد کہتا ہے کہ اہل ریا سے اُمید پاس وفا عبث ہے، ان میں انسانیت کا وزن و وقار نہیں یہ معارف و نعمت تو اہل ایمان ویقین کے لیے ہے اور اہل ریا طبل تہی سے زیادہ بھرم والے نہیں ؎

عبث ہے اہلِ ریا سے اُمیدِ پاس وفا
نہیں ہے طبلِ تہی سے زیادہ ان کا بھرم

اور یہ خود غرض، منافع پرست، بھاڑے کے ٹٹو ہیں ان کا اخلاق بگڑ چکا ہے ان میں سگِ عقور یعنی کٹ کھنے کتے کی عادتیں استوار ہو چکی ہیں۔ جاہ پرست دنیا طلب لوگوں کے بارے میں خالد کہتا ہے ؎

پئے زخارفِ دنیا ذلیل و رسوا ہو
سگِ عقور سے ملتا ہے بندۂ درہم

خالد عشق کو اصل انسانی صفات اور فعّال قوت سے تعبیر کرتا ہے اور اسے ہوس کی ضد بتاتا ہے۔ محبت صفات حسنہ میں سے ہے اور ہوس کا قوام بدی سے اُٹھتا ہے۔ ہوس کا خواہ کوئی روپ ہو، ناپسندیدہ اور مردود ہے۔ ذرا خالد کا حسنِ ابلاغ ملاحظہ فرمائیے دو متضاد اقدار کو آمنے سامنے لا کر ترسیل مطلب کا یہ رنگ نکالا ہے ؎

ہوس معازف و خمر و حریر و حرز و بُخور
محبت اشک گلوگیر و شیون و ماتم

اہلِ جہاں محارم کو خود پر حلال کرتے ہیں، وہ ہر طرح کی خیانت کرتے ہیں۔ خدا کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔ اس سے بڑا ظلم و طغیان اور کیا ہو گا کہ وہ حسد، تکبر اور چغلی کرتے ہیں۔ ان کا اخلاق و کردار مسخ ہو چکا ہے ؎

متاعِ غیر کو للچائی آنکھ سے دیکھیں
ہیں اکثر اہلِ جہاں حاسد و نموم و منمّ [1]
نہیں ہے غبن و تغلّب سے مطلقاً اجتناب
روپے کو پوجتے ہیں، الم لگا تے ہیں دم

خالد کہتا ہے ہوا و ہوس کا کوئی ٹھکانہ نہیں، نہ کوئی انتہا ہے، اس کی مثال ایسی اونٹنی کی ہے جو نہ بجھنے والی پیاس کی بیماری میں مبتلا ہو کتنی انوکھی تشبیہہ ہے ؎

کسی کے پاس نہیں ہے علاج جوع الکلب
ہو پُرخوری سے کبھی پُر نہ جوفِ فرج و فم
نہیں ہے تشنگی، ہے یہ ہُیام و استسقا
کبھی نہ سیر ہو پانی سے ناقۂ اہیم

تنبیہ کے ساتھ ساتھ وہ بندۂ حدود شناس کی تعریف کرتا ہے ؎

وہی ہے بندۂ مقبول جو ہے حدود شناس
ہے شرح اس کی حیاتِ شریکِ دینِ آدم

خالد ایک ایسے اسلامی تمدن کی تشکیل کے لیے قلمی جہاد میں مصروف ہے جو قرآن کریم کی تعلیمات کا آئینہ دار ہو۔ معارف قرآنی اس کے نفس کے آمد و شد کا وظیفہ ہیں۔ وہ عشق و محبت اور انس کو انسانی وجود اور مشیّت ایزدی کا جزو لاینفک تصور کرتا ہے۔ اس نے ایک سے زیادہ انداز میں اپنے اس زاویۂ نگاہ کا اعادہ کیا ہے ؎

محبت سے بڑھ کر نہیں کوئی طاقت
خدا ہے محبّت، محبّت خدا ہے

لیکن ساتھ ساتھ معصیت سے بھی محفوظ رہنے کی تلقین کرتا ہے، وہ محارم کو حلال نہیں کرتا جنسی بے راہروی سے روکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عورت میں بڑی کشش ہے اور یہ کشش مشیّت ایزدی نے بے وجہ نہیں رکھی ہے۔ البتہ مرد و عورت کے ملنے کے اخلاقی حدود مقرر کر دیے ہیں۔

ازدواجی زندگی نہ صرف صحت مند افزائش نسل کے لیے ضروری ہے بلکہ یہ خاندانی اور تمدنی زندگی کی بھی تمہید ہے

---

[1] نمیم، نمّام چغل خور، غیبت گو

قرآن حکیم نے اس کے شرف کا ذکر یوں کیا ہے:

> اور (دیکھو) اللہ نے تم ہی میں سے تمھارے لیے جوڑے پیدا کر دیئے (یعنی مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد) اور تمھارے جوڑوں سے تمھارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کر دیئے (کہ ان سے تمھاری زندگی ایک وسیع خاندان کی نوعیت اختیار کر لیتی ہے) نیز تمھاری روزی کے لیے اچھی اچھی چیزیں مہیا کر دیں، پھر کیا یہ لوگ جھوٹی باتیں تو مان لیتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں سے انکار کرتے ہیں۔
>
> (النحل ۱۶ : ۷۲)

قرآن حکیم نے مرد و عورت کے ملنے کا جائز طریقہ صرف ایک ہی بتایا ہے اور وہ ازدواج ہے، یہی ایک طریقہ مباح ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

> بلاشبہ ایمان لانے والے کامیاب ہوئے (کون ایمان لانے والے؟) جو اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع رکھتے ہیں۔ جو نکمی باتوں سے رخ پھیرے ہوئے ہیں۔ جو زکوٰۃ ادا کرنے میں سرگرم ہیں جو اپنے ستر کی نگہداشت سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ ہاں اپنی بیبیوں سے زناشوئی کا علاقہ رکھتے ہیں یا ان سے جو ان کی ملکیت میں آگئیں۔ یعنی غلامی کی حالت میں پڑی ہوئی عورتیں جو ان کے نکاح میں آگئیں) تو ان سے علاقہ رکھنے پر ان کے لیے کوئی ملامت نہیں اور جو کوئی (اس معاملے میں) اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت نکالے تو ایسی صورتیں نکالنے والے ہی ہیں جو حد سے باہر ہو گئے۔
>
> (المومنون ۲۳ : ۱ تا ۷)

خالد نے جنس کو بھی موضوع سخن بنایا ہے اور ہوا و ہوس کی نہایت زہد شکن تصویریں کھینچی ہیں، لیکن اس کا مقصود جنسی بے راہروی کی افزائش نہیں سدباب ہے، کیوں کہ وہ تردامنی کے ہلاکت خیز انجام سے خبردار کرتا اور اسے ایک فعل قبیح بتاتا ہے۔ خالد ازدواجی زندگی کے لذائذ سے بہرہ مند ہونے کی تلقین کرتا ہے کہ وحی اللہ کی تعلیمات میں رہبانیت نہیں ہے نفس کے حقوق بھی ہیں لیکن وظیفۂ نفس کے حدود مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ خالد پاکیزہ جنسی زندگی اختیار کرنے کی یوں تذکیر کرتا ہے ؎

حفاظت کرو شرمگاہ و زباں کی
کہ حفظ و حیا شعبہ ایمان کا ہے
کرو عہد آنکھوں سے مضبوط کر کے
کہ پر نار کو گھورنا ناروا ہے

نظر ہی سے شہوت کی ہو تخم ریزی
یہ پودا غلامی کا خود کاشتہ ہے
بدی کرنے والے پہ یہ رشک کیسا
پتنگے کی مانند اس کو فنا ہے

"فارقلیط" کی ایک سے زیادہ فصلوں میں بدکار عورتوں اور زناکار مردوں کی نہایت جاذب نظر تصویر بنائی ہے کہ معصیت میں بڑی کشش اور چمک دمک ہوتی ہے لیکن اخلاقی نتائج کا استخراج کیا ہے کہ یہ حسن و رعنائی۔ یہ شباب کی سرمستی، یہ ناز و ادا، یہ لعاب دہن کی لذت، یہ بوس و کنار، یہ وصال و طغیان بے حقیقت ہے اس کا انجام نہایت ہلاکت خیز ہوا کرتا ہے۔ یہ قبیح اعمال ہیں، باطل حرکات ہیں، سراسر حق سے روگردانی ہے، لہذا اس کا مقدر فنا ہے۔ "فارقلیط" کے علاوہ خالد کے اکثر ڈراموں کا بھی یہی موضوع ہے اور اس نے اپنے ان ڈراموں کے کرداروں کو بھی بالآخر ہلاکت میں مبتلا دکھایا شگفت گل کی دلربائی کو وہ پادر ہوا بتاتا ہے اور ہوس کاروں کو توآتنی بھی مہلت نہیں ملتی۔

خالد کا پند و موعظت کا اسلوب نہایت پرکشش اور دلنشیں ہے، اور وہ اعلیٰ درجے کے معاشرے کی تشکیل کے لیے اعلیٰ اوصاف کی حامل عورتوں اور مردوں کا متلاشی ہے۔ وہ زنا کو ایک ایسی برائی تصور کرتا ہے جو صرف انفرادی طور پر ایک فرد کی صلاحیتوں کو تباہ کر دیتی ہے بلکہ معاشرے میں بھی اس سے بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ لہذا زناشوئی کے علاقے کو وہ حدودِ خدا میں رکھنے کی تلقین کرتا ہے ؎

کرو عقد کنواری سے کھیلو کھلاؤ
کہ تازہ رس و نوبر و آنسہ ہے
جواں، مہرباں، متقی، پاک دامن
نکوکار بیوی سکون و شفا ہے
مہک پھیلے لیکن نہ ظاہر ہو رنگت
یہ مردوں کی زینت ہے فرحت فزا ہے

تم اس کا لباس اور وہ ہے تمہارا
حقوق و فرائض کا یہ رابطہ ہے
گھروں کا اُجالا ہے انس و محبت
اسی میں سعادت، اسی میں بقا ہے

معارف قرآنی کو کتنی سادگی سے خالد نے بیان کر دیا ہے، وہ لوگ جو تلاوتِ قرآن حکیم سمجھ کر نہیں پڑھتے وہ اسے شاعری سمجھیں گے لیکن یہ فرمانِ خدا اور احادیث نبوی کے بیان کے ماسوا کچھ نہیں۔ خالد بدکار بیوی سے خدا کی

پناہ مانگتا ہے ؎

کسی کو خدا دے نہ بدکار بیوی
مصیبت ہے، آزار ہے، خرخشہ ہے
ٹھہرتا نہیں گھر میں سیلانی جیوڑا
ہر اُدماتی شتاسمہ و کافرہ ہے
لگاتی ہے عیارہ کیدوں میں تھگلی
چُھپُڑنی کا چہرہ فریب دغا ہے

خالد کے عندیئے میں جس معاشرے کے افراد کی ازدواجی زندگی درست نہیں ہے وہ کبھی فلاح یافتہ معاشرہ نہیں بن سکتا۔ اور اس سلسلے میں وہ عورت و مرد دونوں کو تنبیہہ کرتا ہے، قرآن حکیم نے عورتوں کو مساوی حقوق دیئے ہیں اور دونوں سے یکساں خطاب کیا ہے، البتہ توراۃ میں عورت کو بدی کا مجسمہ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن قرآن حکیم نے اس کی شہادت نہیں دی ہے۔ لہٰذا خالد بدکار مردوں کی تنذیر یوں کرتا ہے ؎

وہ صیاد، مکار و مردود ہے جو
زنِ غیر کی گھات میں بیٹھتا ہے
گھروں میں گھس آئے دبے پاؤں اکثر
اسے بوم و خفاش و گربہ کہا ہے
رہے منتظر شام کی چشمِ زانی
اُجالا تو دن کا اسے کاٹتا ہے
شباب و فسوق و فجور و تطاول
زنا بے حیائی، بُرا راستہ ہے

زنا تخلیقی صلاحیتوں کو مار دیتا ہے۔ اس کے مضرات ملاحظہ فرمائیے ؎

اسے جانو موتِ فجاعی کا داعی
یہ پہلے سکونِ قلب کا چھینتا ہے
اجڑ جائیں مکان منازل ہوں ویراں
کہ بیت الحرام نظر، بت کدہ ہے
کبھی عورتوں کو نہ دو اپنی قوت
کہ اسراف سے آدمی سوکھتا ہے

بلاشبہ میٹھا ہے چوری کا پانی
پہ چور آخر کار پکڑا گیا ہے
ہم آغوش ہو غیر عورت سے جو بھی
وہ اپنی حلیلہ کا حق مارتا ہے

انسانی اعمال کے تمام گوشوں میں اصل سوال حدود ہی کا ہے اور ہر جگہ انسان نے اسی کو پہچاننے میں ٹھوکر کھائی ہے، حالانکہ یہی جادۂ سعادت ہے اور راہِ شقاوت حدودِ خدا سے تجاوز کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ خالد کے پندو موعظت کا خلاصہ یہ ہے کہ حدود سے تجاوز نہ کرو۔ خالد یہ تعلیم انفرادی سطح پر بھی دیتا ہے اور اجتماعی طور پر بھی کہ معاشرے اور ملت کی تشکیل کے لیے بھی عدل ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

خالد کی تعلیمات کا ماخذ قرآنِ حکیم ہے۔ اس نے "فارقلیط" میں نہایت واضح، روشن اور صاف و شستہ زبان و عام فہم لب و لہجہ میں قرآن حکیم کے معارف، احکام اور تعلیمات کو پیش کیا ہے اور سینکڑوں آیات فرقانی کا اس قدر سہل اردو میں ترجمہ کیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ قرآن پاک، احادیث اور سنّت مصطفوی کی ترجمانی و شرح و تفسیر کے سوا خالد کوئی نظام اخلاق، نظریۂ سیاست و تمدن یا کوئی نیا منہاج لے کر نہیں آیا ہے۔ وہ مترجم ہے، شارح ہے، مفسر ہے، مبلغ ہے اور مصلح ہے۔ بکمال احتیاط و تقویٰ وہ معارف و غوامض قرآن حکیم کو منظوم کرتا ہے۔

خالد نے ضلالت و گمراہی کے دلدل میں پڑے ہوئے لوگوں کے ساتھ ساتھ ہدایت یافتہ لوگوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ ہدایت یافتہ لوگ وہ ہیں جو حدودِ خدا کو پہچانتے ہیں اور سرِ مو اس سے تجاوز نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کا ذکر نہایت اشتیاق سے یوں کیا ہے ؎

کریں نیکیوں کے لیے دوڑ دھوپ
بہ قول و عمل ھُمْ لَھَا سَابِقُون
کریں سچ کا اعلان ڈنکے کی چوٹ
بِمَا یُؤْمَرُوْنَ فَھُمْ یَصْدَعُوْن
طریقِ وفا پر رہیں گامزن
بِحَبْلِ الْمَتِیْنِ مُتَمَسِّکُوْن
غیور و وقور و صبور و شکور
اِذَا اَحْزَنَ النَّاسُ لَا یَحْزَنُوْن
شفیق و رفیق و لطیف و عفیف
نہ جابر وہ منتر نہ بدبیں وہ جون